انجان راہی
(محقق ایڈیشن)
امریکی ناول SHANE کا اُردو ترجمہ
مصنف : جیک شیفر
مترجم : منشاء الحق حقی

انجان راہی

(محقق ایڈیشن)

مصنف: جیک وارنر شیفر

مترجم: شان الحق حقی

تحقیق متن: ڈاکٹر حافظ صفوان محمد چوہان

فہرست

باب-۱

وہ ۸۹ء کی گرمیوں میں ہماری وادی میں آیا تھا۔ میں اُس وقت بچہ سا تھا۔ بس ابا کی پرانی ریزھی کے پشت والے تختے تک پہنچتا ہوں گا۔ ایک روز سہ پہر کو میں اپنے مویشیوں کے باڑے کے گرداگرد لگے ہوئے جنگلے کو گھوڑا بنائے دھوپ کھا رہا تھا کہ وہ سڑک پر نمودار ہوا، عین اُس جگہ جہاں سے سڑک بیرونی میدان کو پیچھے چھوڑ کر ہماری وادی میں آتی تھی۔

دیامنگ کی روشن فضا میں وہ بالکل صاف دکھائی دے رہا تھا حالانکہ اُس وقت کئی میل دور ہوگا۔ اُس میں کوئی خاص بات نظر نہ آتی تھی۔ بس ایک تنہا سوار تھا جو اس طرف چلا آ رہا تھا، لکڑی کے ڈھانچوں پر اُٹھائے ہوئے گھروں کے اس جھنڈ کی طرف، جو ہماری بستی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ دو گائیں اُس کے پاس سے بدک کر بھاگیں اور کچھ دور ٹھہر کر اُس کو بڑی حیرت کے انداز میں ٹکٹکی باندھے تکنے لگیں۔

وہ برابر ایک ہی رفتار سے چلا آ رہا تھا۔ اسی طرح بغیر قدم روکے بستی میں سے گزرا اور اُس سہ راہے تک پہنچا جو ہمارے گھر سے کوئی آدھ میل نشیب میں تھا۔ یہاں سے ایک راستہ بائیں طرف دریا کے پایاب گھاٹ کو عبور کرتا، لیوک فلیچر کی فراخ چراگاہ کو نکل جاتا تھا۔ دوسرا داہنے کنارے کے ساتھ ساتھ چلتا جہاں ہم لوگوں نے وادی میں ذرا اور اُدھر چل کر اپنے اپنے احاطے ایک قطار میں کھینچ رکھے تھے۔ وہ ذرا کی ذرا ٹھٹکا جیسے غور کر رہا ہو کہ کدھر کا رخ کرے، پھر ہماری طرف کو چل پڑا۔

جب وہ قریب پہنچا تو سب سے پہلے میری نظر جس چیز پر چونکی وہ اُس کا لباس تھا۔ وہ ایک سیاہ رنگ کی سرج کی طرح کے کسی کپڑے کی پتلون پہنے ہوئے تھا جس کی مہریاں اونچے فل بوٹوں کے اندر اُڑسی ہوئی تھیں اور کمر میں ایک چوڑی سی پیٹی کسی ہوئی تھی۔ بوٹ اور پیٹی

نرم سیاہ چمڑے کے تھے جس پر بڑے مہین نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ چٹانوں ہی کے ساتھ ایک کوٹ صفائی سے تہہ کیا ہوا کاٹھی کے پہلو میں تسموں سے بندھا ہوا تھا۔ قمیص کشمشی رنگ کی کسی عمدہ سوتی کپڑے کی تھی۔ ایک ریشمی رومال گلے میں ڈھیلا ڈھالا سا لپیٹ رکھا تھا۔ اُس کی ٹوپی (ہیٹ) نہ تو عام سٹیٹسن وضع کی تھی نہ اس کا رنگ بھورا یا کشمشی تھا، جیسا کہ رواج تھا۔ وہ سیاہ رنگ کی تھی اور نرم، اور میرے لیے نئی تھی۔ ٹوپی کی چندیا میں شکن تھی اور خوب بڑے گھیر کا لہردار چھجا تھا جو آگے کو جھکا ہوا اور چہرے پر اچھی طرح چھایا ہوا تھا۔

ان میں سے کوئی چیز نام کو بھی نئی نہ رہی تھی۔ سفر کی گرد سے اٹی اٹی ہوئی تھیں۔ گھسا گھسایا داغ دار لباس تھا۔ قمیص میں تو بڑی صفائی سے لگے ہوئے کئی پیوند بھی تھے، پھر بھی ایک وقار اور وجاہت کے آثار موجود تھے۔ اور ان کے ساتھ ایسی وضع قطع جو اُس کمسنی میں میرے لیے ان دیکھی تھی۔

پھر اُس کی شخصیت سامنے آئی تو میں کپڑوں کو بھول کر خود اُسی کو دیکھتا رہ گیا۔ ویسے تو میانہ قد سے کچھ زیادہ اونچا نہ تھا اور خاصا دبلا پتلا آدمی تھا اور میرے ابا کے چوڑے چکلے جسم کے سامنے تو وہ بالکل منحنی سا لگتا، مگر اُس کے سنولائے ہوئے چہرے کے خط و خال میں جفاکشی کے آثار مجھ تک کو نظر آ رہے تھے۔ اپنے تھکے ماندے گھوڑے کی ہر جنبش کے ساتھ جب وہ پھرتی سے بے تکان پہلو بدلتا تو اُس کی چھپی ہوئی ٹھوس قوتوں کا پتہ چلتا تھا۔

اُس کی داڑھی مونچھ صاف تھی۔ اُس کا چہرہ دبلا ہوا، خط و خال سخت اور اونچی پیشانی سے لے کر ہموار مخروطی ٹھوڑی تک، دھوپ کے تپائے ہوئے تھے۔ اُس کی آنکھیں ٹوپی کی باڑھ کے سائے میں جیسے نقاب کی طرح چھپی ہوئی تھیں۔ وہ قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ دراصل اُس کے تیور چوکنے پن کی عادت کے باعث مستقل طور پر کھنچے رہتے تھے۔ ابروؤں کے نیچے اُس کی آنکھیں برابر ادھر اُدھر گردش کرتی رہتیں اور کوئی چیز بھی اُس کے مشاہدے سے نہ چوکتی۔ یہ سب دیکھ کر اُس کھلی جگہ دھوپ میں کھڑے ہونے کے باوجود نہ معلوم کیوں مجھے کپکپی سی آ گئی۔

وہ زین پر بانکا سجیلا بیٹھا ہوا شاد و گام چلا آ رہا تھا۔ پاؤں رکاب میں جمائے ہوئے اطمینان سے پھیلا رکھے تھے مگر اس اطمینان کے انداز میں بھی ایک پوشیدہ کھنچاؤ تھا جیسے کوکا ہوا فنر یا تنا ہوا چلّہ۔

○

اُس نے مجھ سے کوئی بیس قدم پر باگ کھینچی۔ اُس کی نظر مجھ پر اُچٹتی ہوئی سی پڑی اور پھر آناً فاناً سارے احاطے میں گھوم آئی۔ یہ احاطہ رقبے اور گنجائش کے لحاظ سے تو کوئی بڑی چیز نہ تھا مگر یہاں ہر چیز ستھری اور اچھی تھی، اور یہ ہمارے ابا کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ انھوں نے گلہ باندھنے کے باڑے کے گرد جس میں کوئی تیس مویشی سما سکتے تھے، مضبوط بلّیاں گاڑ کر جنگلہ بنا رکھا تھا۔ اس کے پیچھے چراگاہ تھی جس کا رقبہ ہماری کل مقبوضہ زمین کا نصف تھا اور پوری طرح محصور۔ غلّے کی کوٹھی اگرچہ چھوٹی تھی مگر مضبوط بنی ہوئی تھی۔ اور ہم ایک سرے پر الفالفا کے چارے کے لیے ایک کوٹھی اور کھڑی کر رہے تھے جو اس علاقے میں خوب لہلہا رہا تھا۔ اس سال ہم نے آلو خاصے رقبے میں اُگائے تھے، اور ابا ایک نئی قسم کی جوار بھی تجربے کے لیے بو رہے تھے جو انھوں نے واشنگٹن سے منگائی تھی۔ اس کے پودے بے گھاس پھوس کی کیاریوں کے اندر چھنی چھنائی قطاروں میں اچھی طرح پھوٹ آئے تھے۔ گھر کے پیچھے اماں کی لگائی ہوئی گھریلو سبزیوں کی کیاری بھی بڑی پُر بہار تھی۔ گھر کے اندر تین کمرے تھے۔ بلکہ وہ ہی سمجھیے۔ ایک بڑا باورچی خانہ تھا۔ ہم گھر کے اندر زیادہ تر وقت وہیں گزارتے تھے۔ اور اُس کے پاس سونے کا ایک کمرہ۔ باورچی خانے کے پیچھے میرے لیے ایک چھوٹا سا الگ کمرہ بنا دیا گیا تھا۔ ابا کا ارادہ تھا کہ اماں کے لیے بھی ایک بیٹھنے اُٹھنے کا کمرہ بنا دیں گے۔

ہمارے گھر کا فرش لکڑی کا تھا اور سامنے کے رخ ایک سائبان یا پیش دہلیز بھی تھی۔ گھر پر روغن بھی پھرا ہوا تھا، سفید رنگ اور سبز حاشیہ۔ یہ اس سارے علاقے میں بڑی نایاب چیز تھی اور گویا اماں کو اپنے وطن نیو انگلینڈ کی یاد دلاتی تھی۔ اماں نے جب ابا سے اس کی فرمائش کی تو یہی بات کہی تھی۔ اس سے بھی نئی بات یہ کہ چھت پر لکڑی کے مستطیل ٹکڑوں سے روکاری کی

گئی تھی۔ مجھ سے یہ پوچھیے کہ یہ کتنی محنت سے تیار ہوئی تھی۔ میں نے بھی ان ٹکڑوں کو کاٹنے میں ابا کا ہاتھ بٹایا تھا۔ اُن دِنوں ملک کے اس دور دراز علاقے میں ایسے خوش وضع اور ایسے محنت سے بنائے ہوئے کم ہی گھر تھے۔

اجنبی نے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے ان سب چیزوں کو ایک نظر میں دیکھ لیا۔ میں نے دیکھا کہ اُس کی آنکھیں پھولوں کی کیاری پر ٹکیں جو اماں نے دروازے کے سامنے لگائی تھی۔ پھر ہمارے نئے چمکتے ہوئے پانی کے پمپ پر آ کر ٹھہر گئیں جس کے قریب مویشیوں کی پیال بھی تھی۔ پھر اُس نے دوبارہ میری طرف دیکھا اور پھر نہ معلوم کیوں مجھے ایک لرزہ سا اُٹھا۔ مگر اُس کی آواز نرم تھی اور لہجے سے بڑا بردبار آدمی معلوم ہوتا تھا۔

''کیا ہم یہاں پانی پی سکتے ہیں؟ میں بہت ممنون ہوں گا۔''

میں کوئی جواب تلاش کر ہی رہا تھا جو گویا حلق میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ معاً میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھ سے نہیں بلکہ پیچھے کسی اور سے مخاطب ہے۔ ابا میرے پیچھے آ کھڑے ہوئے تھے اور باڑے کے پھاٹک کا سہارا لیے کھڑے تھے۔

''ہاں شوق سے۔ جتنا پانی چاہو میاں مسافر۔''

ہمارے دیکھتے دیکھتے وہ ایک ہی جھپاکے میں اُترا۔ گھوڑے کی باگ پکڑے ناند کے پاس لے گیا۔ پمپ سے پانی کھینچ کر پوری ناند بھری اور گھوڑے نے ٹھنڈے ٹھنڈے پانی میں منہ ڈال دیا۔ پھر اُس نے اپنے لیے ڈونگا اٹھایا۔

اُس نے اپنی ٹوپی اتار کر جھاڑی اور ناند کے سرے پر ٹکا دی۔ پھر اپنے کپڑوں کو ہاتھ سے جھٹک کر جھاڑا۔ کاٹھی کی خورجی میں سے میلا کپڑا نکال کر بوٹ پونچھے۔ گلے سے رومال کھولا۔ آستینیں چڑھائیں اور ناند میں ہاتھ ڈال کر خوب اچھی طرح دھوئے۔ پھر ہاتھوں کو جھٹک جھٹک کر خشک کیا۔ رومال سے منہ پونچھا۔ قمیص کی جیب میں سے کنگھا نکال کر اپنے لمبے لمبے لوٹے ہوئے بالوں کو ٹھیک کیا۔ اُس کی ایک ایک جنبش تلی اور چست تھی۔ بڑی پھرتی سے آستینیں نیچی کیں۔ رومال پھر سے گلے میں باندھا اور ٹوپی اُٹھالی۔

ٹوپی ہاتھ میں لیے وہ یکبارگی مڑا اور لمبے لمبے قدم مارتا سیدھا گھر کی طرف آیا۔ جھک کر اماں کی کیاری میں سے ایک پٹونیا کا پھول توڑا اور اُسے اپنی ٹوپی کی پٹی میں ٹانک لیا۔ ٹوپی سر پر رکھی اور اُس کا کنارا ایک غیر محسوس سی جنبش کے ساتھ ترچھا کر کے بڑے بانکپن کے ساتھ زین پر سوار ہو، سڑک کی طرف چل پڑا۔

میں حیرت سے کھڑا دیکھتا رہا۔ میرے دیکھے بھالے لوگوں میں سے کسی میں بھی یہ سج دھج، وقار اور خود اعتمادی نہ تھی۔ اس ذرا سے وقفے میں وہ وجاہت جس کی میں نے اِک ذرا جھلک ہی دیکھی تھی، مجھ پر پوری طرح اثر انداز ہو چکی تھی۔ یہ اُس کے ہر انداز میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اُس کی ہر چیز گھسی پٹی مگر مضبوط اور پائدار معلوم ہوتی تھی۔ اب میرا ہراس بالکل رفع ہو چکا تھا۔ میں خود کو ویسی ہی ٹوپی، ویسی ہی پیٹی اور ویسے ہی بوٹ پہنے ہوئے تصور کرنے لگا۔

اُس نے گھوڑے کو روکا اور ہماری طرف دیکھا۔ اب وہ تازہ دم ہو گیا تھا اور صاف نظر آیا کہ اُس کی آنکھوں کے گرد چھوٹی چھوٹی جھریاں دراصل اُس کا اندازِ تبسم ہیں۔ اس خاص انداز سے اگر وہ آپ کی طرف دیکھتا تو اُس کی آنکھوں میں وہ بے اطمینانی و بے چینی کی نشانیاں نہ ملتیں۔ وہ کچھ اس طرح نظر جما کر دیکھتا کہ ایک سرسری لمحے میں بھی اُس کی نظر آپ کا پورا جائزہ لے لیتی۔

اُس نے مخصوص نرم لہجے میں کہا۔ ''شکریہ۔'' اور ہماری طرف پیٹھ کر کے سڑک پر مڑ ہی رہا تھا کہ ابّا نے کہا:

''مسافر، ایسی بھی کیا جلدی!''

میں نے اڑنگڑے کو مضبوطی سے تھام لیا ورنہ مویشیوں کے باڑے میں جا پڑتا۔ ابّا کے منہ سے ایک ہی لفظ نکلا ہوگا کہ گھوڑا اور سوار جیسے ایک ہی حرکت میں ہماری طرف گھوم گئے جیسے دونوں میں کوئی فرق ہی نہ تھا، اور اُس کی گہری گہری چمکدار آنکھیں ہیٹ کے نیچے سے ابّا کی آنکھوں میں گڑ کے رہ گئیں۔ میں ایک بار پھر لرز گیا۔ اُس وقت فضا میں جیسے کوئی غیر

محسوس، ٹھٹھری ہوئی، دہشت ناک سی چیز بنی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

ابا اور اجنبی ایک طویل لمحے تک ایک دوسرے کو تکتے رہے اور میں حیرت سے منہ کھولے دونوں کو دیکھا کیا۔ وہ دونوں تجربہ کار بڑوں کی طرح ایک دوسرے کو ایک ہی انداز سے پرکھ رہے تھے جس کا سمجھنا میری بساط سے باہر تھا۔ پھر گویا دھوپ نئے سرے سے چمکنے لگی کیونکہ ابا مسکرا رہے تھے۔ وہ بھی اس لہجے میں بات کر رہا تھا جیسے فیصلہ کر چکا ہو۔

''میں نے کہا ابھی بھی کیا جلدی ہے۔ کھانا میز پر لگنے والا ہے۔ اور تم ہمارے ساتھ رات بھی بسر کر سکتے ہو۔''

اجنبی نے سر ہلایا جیسے اُس نے بھی ٹھہرنا منظور کر لیا ہے۔ ''آپ نے میرا بے حد خیال کیا۔'' اُس نے کہا اور پھرتی سے اُتر کر گھوڑے کی لگام پکڑے ہماری طرف بڑھا۔ ابا اُس کے ساتھ چلنے لگے اور ہم سب غلے کی کوٹھی کی طرف بڑھے۔

''میرا نام سٹیریٹ ہے۔'' ابا بولے۔ ''جو سٹیریٹ۔'' پھر میری طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''یہ لڑکا رابرٹ میکلفرسن سٹیریٹ ہے۔ اتنا سا لڑکا اور اتنا بڑا نام۔ کیوں باب؟''

اجنبی نے سر ہلایا اور بولا۔ ''مجھے آپ شین کہیں۔'' پھر مجھ سے کہا۔ ''تو تم باب ہو۔ تم مجھے بڑی دیر سے سڑک پر آتا ہوا دیکھ رہے تھے۔''

یہ سوال نہ تھا، صرف بیانِ واقعہ تھا۔ ''جی ہاں!'' میں نے اٹکتے ہوئے کہا۔ ''جی ہاں، میں دیکھ رہا تھا۔''

''ٹھیک!'' وہ بولا۔ ''مجھے یہ بات پسند آئی۔ جو آدمی اپنے گردوپیش سے چوکنا رہے وہ ضرور کچھ بنے گا۔''

''جو آدمی چوکنا رہے......'' یہ پُراسرار ہیئت اور تیز گہری نظر والا آدمی جانتا تھا کہ بچے کو خوش کرنے کے لیے کیا بات کرنی چاہیے۔

میں خوشی خوشی اُس کی آؤ بھگت میں لگ گیا۔ وہ اپنے گھوڑے کو باندھ رہا تھا۔ میں اُس کی کاٹھی لٹکانے لگا۔ تنکلی لے کر کچھ گھاس اکٹھی کی اور اس سفر پٹر میں بھی خود لڑکھڑایا کبھی

اُس کے راستے میں اَڑ گیا۔ اُس نے مجھے گھوڑے کی لگام نکال لینے سے نہیں روکا۔ یہ قریب سے اور بھی بھاری اور کٹیلی معلوم ہوئی۔ میں نے گھوڑے کو کھریرا کیا۔ گھوڑا چپ چاپ گردن ڈالے کھڑا رہا۔ اُس نے مجھے صرف ایک بار ٹوکا جب میں اُس کا بُغچہ ایک طرف رکھنے کو بڑھا۔ میرا ہاتھ اُس سے چھوا ہی تھا کہ اُس نے بُغچہ خود لپک کر ایک تختے پر اس انداز سے رکھا جیسے ''اسے مت چھوؤ۔''

○

جب ہم تینوں اوپر گھر میں گئے تو اماں انتظار کر رہی تھیں اور چار آدمیوں کے لیے کھانا لگ چکا تھا۔ ''میں نے تم کو کھڑکی میں سے دیکھ لیا تھا۔'' اُنھوں نے کہا اور آگے بڑھ کر نووارد سے ہاتھ ملایا۔ وہ دبلی پتلی دُبلی خاتون تھیں۔ رنگ شفاف تھا جس پر ہمارے ہاں کا سخت موسم بھی کوئی اثر نہ کر سکا۔ سر پر گھنے سنہری بال تھے جو اوپر کی طرف اُٹھے رہتے تاکہ، اُنھی کے بقول، اُن کا قد ابا کے لگ بھگ آ جائے۔

''میرین۔'' ابا نے کہا۔ ''مسٹر شیین سے ملو۔''

''شام بخیر میڈیم۔'' نووارد نے سلام کیا اور اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اُس پر جھک ہی رہا تھا کہ اماں پیچھے ہو گئیں اور بڑی شائستگی سے تعظیماً جھکیں۔ میں نے اُن کو اِس سے پہلے اس طرح تعظیم دیتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ اُن کا مزاج پانا بڑا مشکل تھا۔ ابا اور میں اُن کی خوشی کے لیے پورے گھر پر ایک بار نہیں، تین تین بار قوسِ قزح کے رنگ پھیر دینے سے بھی جی نہ چراتے۔

''آپ کو بھی بخیر۔'' اماں نے کہا۔ ''اگر جو تم کو نہ پکارتے تو میں خود آواز دیتی۔ اس وادی میں کہیں اچھا کھانا نہیں ملتا۔''

اماں کو اپنے پکانے پر بڑا ناز تھا۔ وہ کہا کرتی تھیں یہی ایک ہنر ایسا ہے جو میں نے اپنے دیس میں سیکھا تھا اور اس اُجاڑ بستی میں کام آیا۔ جب تک کہ وہ اچھا کھانا پکاتیں، اُنھیں ابا کو ٹوکنے کا حق تھا کہ فلاں بات یوں کیوں ہے یوں کیوں نہیں، اور گویا یہی ایک ہنر اُن کی

مہذب زندگی کا ثبوت تھا اور اسی کے دم سے آئندہ کے لیے امید قائم تھی۔ وہ اپنے ہونٹ بھینچے، اپنے بنائے ہوئے سب سے زیادہ لذیذ سکٹ سجا کر لاتیں۔ ابا انھیں تڑاق پڑاق کام کرتے دیکھتے رہتے اور بسکٹوں کا ایک ایک بورا ختم کر کے چھوڑتے۔ پھر وہ کھڑے ہو کر آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے، انگڑائی لیتے اور اپنے کام پر چلے جاتے جو کبھی ختم ہی ہوتا دکھائی نہ دیتا تھا، اور اس شان سے کمربستہ ہو کر نکلتے کہ بھلا کوئی اُن کو روک تو لے۔

ہم کھانا کھانے بیٹھ گئے جو بہت ہی مزے کا تھا۔ اماں کی آنکھیں یہ دیکھ کر خوشی سے چمک رہی تھیں کہ ہمارا مہمان بھی کھانے میں میرا اور ابا کا برابر ساتھ دے رہا ہے۔ پھر ہم اپنی اپنی کرسیوں کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ جہاں تک میں سمجھا، گفتگو کچھ اس طرح کی تھی جیسے بہت پرانے دوست میز پر بیٹھے باتیں کر رہے ہوں۔ مگر میں سمجھ رہا تھا کہ گفتگو کا ڈھنگ کچھ ایک ہی سا ہو کر رہ گیا ہے، یعنی ابا جان اور اُن کے ساتھ ساتھ اماں اس جستجو میں ہیں کہ نووارد اپنا کچھ حال بتائے مگر دونوں براہِ راست سوال کرنے سے ہچکچا رہے تھے اور وہ برابر اس ذکر سے کترا رہا تھا۔ وہ اُن کا مقصد بھانپ رہا تھا اور اس پر کچھ جزبز بھی ہو رہا تھا مگر اُس کا لہجہ نرم اور بڑا تپاک تھا، اور وہ بے تامل بول رہا تھا۔ البتہ ہر بار کوئی بات ایسی کہتا کہ ذکر ٹل جاتا اور کوئی واضح بات معلوم نہ ہونے پاتی۔

وہ یقیناً بہت دن کی مسافت طے کر کے آ رہا تھا کیونکہ وہ راستے کے بہت سے مقامات کی خبریں لایا تھا، مثلاً چینے اور ڈوج شہر، بلکہ بعض اور بھی دور دراز مقامات جن کا میں نے نام بھی نہ سنا تھا، مگر اپنے بارے میں اُس کے پاس کچھ بھی کہنے کو نہ تھا۔ اُس نے جیسے اپنے ماضی کے گرد ایک حصار کھینچ دیا تھا، ایسا ہی تنگ حصار جیسا کہ ہماری چراگاہ کے گرد کھنچا ہوا تھا۔ لے دے کے جو کچھ معلوم ہو سکا تو یہ کہ وہ گھوڑے پر سوار لمبی منزلیں مارتا چلا آتا ہے۔ غالباً بالکل بلا مقصد، یا شاید ملک کے نئے علاقوں کی سیر کے اشتیاق میں۔

کھانے کے بعد اماں نے برتن دھوئے۔ میں پونچھتا رہا اور دونوں آدمی دروازے کے آگے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اب گفتگو مہمان کے چلائے چل رہی تھی۔ اُس نے ذرا ہی دیر

ہی رہا تھا۔ وہ اُتر پڑا اور پکار کر سلام کیا۔ ابا اُس سے ملنے کو بڑھے۔ شین سائبان کے پاس ہی جنگلے کی بلی سے ٹیک لگائے کھڑا رہا۔

"لیجیے یہ رہی۔" لیڈیارڈ بولا۔ "وہی تحفہ چیز جس کا میں نے آپ سے ذکر کیا تھا۔" اُس نے گاڑی پر کسے ہوئے کپڑے کو جھٹک کر ہٹایا اور ایک نیا سات پھلوں والا ہل ایک طرف پڑا ہوا دھوپ میں چمکتا دکھائی دیا۔ "یہ بہترین مال ہے جو میں آپ کے پھیرے میں لایا ہوں۔"

ابا نے لمبا سا ہنکارا بھرا۔ "تم نے بالکل ٹھیک چیز لی۔ مجھے یہی چاہیے تھی۔ مگر جب تم بہترین مال کا نام لیتے ہو تو اس کا مطلب لمبے چوڑے دام ہوتے ہیں۔ دام بتاؤ۔"

"داموں کا یوں سمجھیے،" لیڈیارڈ نے دھیرے دھیرے کہنا شروع کیا۔ "کہ یہ چیز دراصل مجھے اُس سے کہیں زیادہ مہنگی پڑی جو میں نے پچھلی بار کہا تھا جب ہم نے آپ سے اس کی بات ہوئی تھی۔ آپ کو شاید فرق زیادہ معلوم ہو مگر دراصل ایسا نہیں ہے۔ اس نئی نویلی چیز کو دیکھیے تو دام زیادہ نہیں معلوم ہوں گے۔ آپ کو تو تھوڑے ہی دن میں دام وصول ہو جائیں گے۔ یوں کہ محنت کتنی بچے گی۔ اور کام میں ایسا ہلکا ہے کہ یہ بچہ بھی تھوڑے دنوں میں بڑی اچھی طرح چلا لے گا۔"

"سیدھی بات کہو۔" ابا نے کہا۔ "میں نے تم سے دام پوچھے ہیں۔"

اب کے لیڈیارڈ ذرا جلدی جلدی بولا۔ "چلو یوں سہی۔ میں تمھاری خاطر دام گھٹائے دیتا ہوں۔ اچھے گاہک کے لیے تھوڑا سا نقصان بھی سہہ لینا چاہیے۔ بس ایک سو دس (۱۱۰) ہی میں دیے دیتا ہوں۔"

اس پر میں شین کی آواز سن کر چونک پڑا۔ وہ بڑی آہستگی کے ساتھ طنزاً بولا۔ "دیے دیتا ہوں! بے شک ایک ایسا ہی ہل چینے میں ایک دوکان پر رکھا تھا۔ لکھے ہوئے دام ۶۰ ڈالر۔"

لیڈیارڈ تھوڑا سا آگے بڑھا۔ اُس نے پہلی بار ہمارے گھر کے نو وارد کو غور سے دیکھا۔ وہ بناوٹی ہنسی اُس کے چہرے سے کافور ہو گئی۔ اُس کی آواز بھرا گئی۔

"آپ سے کس نے کہا کہ اس معاملے میں دخل دیں؟"

بات نہیں آتی۔ بس سمجھتا ہے کہ ہم چھوٹی حیثیتوں کے لوگ اُس کے لیے محض بلائے بے درماں بنے ہوئے ہیں۔''

''ہیں تو سہی۔'' شمین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اُس کے نقطۂ نظر سے تو ہیں ہی۔''

''ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ تو ماننا پڑے گا۔ اگر اُس نے دریا کے اس پار کی زمین کو استعمال کرنا چاہا جیسے کہ پہلے کرتا تھا، تو ہم لوگ اُس کا ناطقہ بند کردیں گے۔ ہم نے اس میں سے کافی اچھے اچھے ٹکڑے سنبھال لیے ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ہم نے گھاٹ کا بھی ایک حصہ روک لیا ہے۔ جب سے ہم یہاں آئے ہیں وہ وقتاً فوقتاً اس بات پر منہ بناتا رہا ہے۔ اُسے ڈر یہ ہے کہ لوگ اسی طرح آتے چلے جائیں گے اور اُس پار بھی بسنے شروع ہوگئے تو پھر اُس کی عافیت تنگ ہوجائے گی۔''

رکابیاں پونچھی جاچکی تھیں اور میں دروازے کی طرف کھسک رہا تھا کہ اماں نے پکڑ کر بستر پر پہنچادیا جیسا کہ اُن کا قاعدہ تھا۔ جب وہ مجھے پچھلے چھوٹے کمرے میں پہنچا کر بیرونی سائبان کی طرف اُن لوگوں کے پاس چلی گئیں تو میں نے زیادہ غور سے باتیں سننے کی کوشش کی۔ آوازیں دھیمی تھیں۔ پھر میں شاید اونگھ گیا ہوں گا کیونکہ جب میں چونکا تو دیکھا کہ ابا اور اماں باورچی خانے میں پلٹ آئے تھے۔ اُس وقت میں نے سمجھا کہ مہمان غلّے کی کوٹھی میں اُس جگہ پر ہوگا جو ابا نے ایک مزدور کے سونے کے لیے بنائی تھی جس نے چند ہفتے بہار کے موسم میں ہمارے ہاں کام کیا تھا۔

''تمھیں تعجب نہیں ہوا؟'' اماں بولیں۔ ''وہ اپنے بارے میں کیسا گم سُم ہوجاتا ہے۔''

''تعجب؟'' ابا بولے۔ ''ہاں۔ مجھے بھی کچھ احساس ہوا تو سہی۔''

''اُس کی تو ہر بات عجیب معلوم ہوتی ہے۔'' اماں نے اس طرح کہا جیسے یہ بات بہت ہی اُن کے دل کو لگتی ہوئی ہو۔ ''میں نے تو اس طرح کا کوئی آدمی دیکھا نہیں۔''

''تم کیسے دیکھ سکتی تھیں۔ جہاں کی تم ہو وہاں کیونکر دکھائی دیتا۔ مگر یہ ہے ایک خاص ہی نمونہ جو ہماری ان چراگاہوں میں کبھی کبھی آن نکلتا ہے۔ میں نے اس وضع کے چند آدمی دیکھے

ہیں۔ برا ہوگا تو زہر کا بجھا ہوگا۔ اچھا ہوگا تو کھوٹ کا نام نہ نکلے گا۔''

''مگر اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ اُس نے تو یہ تک نہ بتایا کہ پلا بڑھا کہاں ہے۔''

''اُدھر کہیں مشرقی علاقوں میں۔ میرا تو یہی قیاس ہے، بلکہ قدرے جنوب کی طرف۔ شاید ملنے سی کا ہوگا۔ مگر گھوما پھرا بہت ہے۔''

''مجھے تو بھلا معلوم ہوا۔'' اماں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''پکی پکی بات ہے، اتنا شریف، خوش اخلاق اور کیا کہتے ہیں، بھلا مانس ...... جیسے یہاں نظر آتے ہیں ویسا نہیں۔ مگر اس میں پھر بھی کچھ نہ کچھ ہے ضرور۔ اس ساری شرافت کے پردے میں کچھ بات ......''

''پُر اسراری۔'' ابا نے لقمہ دیا۔

''ہاں بے شک۔ پُر اسراری، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ خطرناک حد تک شبہ میں ڈالنے والی۔''

''وہ خطرناک تو ضرور ہو سکتا ہے۔'' ابا نے سوچنے کے انداز میں کہا۔ ''مگر ہمارے لیے نہیں بیگم۔''

اور پھر اُنھوں نے ایک ایسی بات کہی جو مجھے خاصی عجیب معلوم ہوئی۔

''دراصل میرا خیال ہے اس سے زیادہ بے ضرر آدمی تمھارے گھر میں کبھی نہ آیا ہوگا۔''

باب-۲

صبح میں دیر سے اُٹھا اور اونگھتا لڑکھڑاتا باورچی خانے میں پہنچا تو دیکھا کہ ابا اور مہمان اماں کے بنائے ہوئے کیک اُڑا رہے ہیں۔ اماں مجھے دیکھ کر چولھے کے پیچھے سے مسکرائیں۔ ابا نے خوش آمدید کے طور پر میری پیٹھ تھپکی۔ ہمارے مہمان نے جس کے آگے بھری ہوئی رکابی رکھی تھی، میری طرف دیکھ کے بڑی سنجیدگی سے گردن ہلائی۔

''آؤ میاں! صبح بخیر۔ ذرا جلدی ہاتھ بڑھاؤ ورنہ ہم تمھارا حصہ بھی ہضم کر جائیں گے۔ تمھاری اماں کھانا کیا تیار کرتی ہیں، کمال ہی کر دکھاتی ہیں۔ یہ فلینل کیک ڈٹ کے کھاؤ تو اپنے ابا سے بھی زیادہ مضبوط آدمی بن جاؤ گے۔''

''فلینل کیک۔ سنا تم نے جو؟'' اماں نے اچانک بڑھ کے ابا کے بالوں کو گدگدایا۔ ''تمھارا خیال ٹھیک ہے۔ یا تو یٹے سی یا اُسی طرف کوئی اور جگہ۔ میں نے اس کیک کا یہ نام اِدھر تو کہیں نہیں سنا۔''

ہمارے مہمان نے سر اُٹھا کر اماں کی طرف دیکھا۔ ''آپ کا خیال خوب پہنچا محترمہ۔ بالکل قریب۔ مگر آپ کے شوہر نے بھی تو آپ کی مدد کی۔ ہم لوگ مس سپی سے آئے تھے اور ارکنساس میں بس گئے تھے۔ مگر میں خود...... میں سیلانی آدمی تھا۔ ۱۵ سال کی عمر میں گھر سے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ جب سے کوئی ایسا کیک نہیں کھایا جسے صحیح معنوں میں فلینل کیک کہا جا سکے۔'' اُس نے اپنے ہاتھ میز کے کنارے پر رکھ دیے اور اُس کی آنکھوں کے گرد جھریاں زیادہ گہری اور نمایاں ہو گئیں۔ ''یعنی آج تک نہیں کھایا۔''

اماں بے اختیار اس طرح ہنسیں جیسے چھوٹی لڑکیاں دانت نکوس دیتی ہیں۔ ''اگر میں مردوں کو ذرا بھی سمجھتی ہوں،'' اُنھوں نے کہا۔ ''تو اس بات میں ''اور بھی کچھ'' کے معنی ہیں۔''

یہ کہہ کر وہ پھر جھپاک سے چولہے کے پاس پہنچ گئیں۔

ہمارے گھر کی فضا ایسی ہی تھی۔ ہنسنا بولنا اور میل ملاپ کی گرماگرمی۔ آج صبح تو اس کی اور بھی ضرورت تھی کیونکہ ہوا ٹھنڈی اور فضا کجلائی ہوئی تھی۔ میں فلیپ جیک کیکوں کی پہلی پلیٹ ختم کر کے دوسری شروع نہ کرنے پایا تھا کہ ہوا کے ایک جھکڑ کے ساتھ زور کا مینہ آن پہنچا جیسا کہ اس موسم میں اکثر دیکھتے دیکھتے آ جاتا تھا۔

ہمارا مہمان ناشتہ کر چکا تھا۔ اُس نے اتنے کیک کھائے کہ میں نے کہا کہیں سچ مچ میرے ساتھ بھی حصہ نہ بنائے۔ اب اُس نے پھر کھڑکی کے باہر نظر ڈالی اور ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ میز سے اُٹھنے لگا مگر اماں کی آواز سن کر پھر بیٹھ گیا۔

''تم ایسے موسم میں کہیں نہ جاؤ گے۔ تھوڑی دیر ٹھہرو۔ بارش رک جائے گی۔ یہ بادل بہت دیر نہیں برستے۔ میں نے کافی کا پانی پھر چڑھا دیا ہے۔''

ابا اپنا پائپ سلگا رہے تھے۔ وہ اپنی آنکھیں اوپر جاتے ہوئے دھوئیں پر جمائے ہوئے بولے۔ ''میرین ٹھیک کہتی ہیں۔ مگر ان کا خیال بھی زیادہ دور تک نہیں گیا۔ مینہ تو تھوڑی دیر برستا ہے مگر سڑک بالکل نمی ہو جاتی ہے۔ نئی بھی ہے۔ ابھی دبنے نہیں پائی۔ پانی پڑنے سے دلدل ہی دلدل ہو جاتی ہے۔ جب تک سوکھ نہ جائے سفر کے قابل نہ ہوگی۔ تم کل تک ٹھہر ہی جاؤ تو اچھا ہے۔''

ہمارا مہمان اپنی خالی پلیٹ کو یوں گھورنے لگا جیسے کمرے بھر میں سب سے اہم چیز کوئی تھی تو یہ تھی۔ یہ تو ظاہر تھا کہ اُس نے تجویز کو پسند کیا ہے مگر وہ کچھ فکرمند بھی ہو گیا۔

''ٹھیک ہے۔'' ابا پھر بولے۔ ''ایک دن کو سفر ٹالنا اچھا ہی ہوگا۔ کل تمھارا گھوڑا بہت بے حال ہو رہا تھا۔ اگر میں گھوڑوں کا ڈاکٹر ہوتا تو ایک دن کا آرام فوراً لکھ دیتا۔ اگر اپنے حق میں بھی میری صلاح آج یہی نہ ہو تو جو جی چاہے میرا حشر کرو۔ تم ایک دن قیام کرو تو میں بھی آرام کروں۔ پھر میں تمھیں ساتھ لے جا کر یہ بھی دکھاؤں گا کہ میں یہاں کیا کیا کر رہا ہوں۔''

اُنھوں نے اماں کی طرف اس طرح دیکھا جیسے اُن کی تائید چاہتے ہیں۔ اماں کچھ

حیرت میں تھیں، اور ایسا بجا بھی تھا۔ ابا اپنے منصوبوں کو پورا کرنے کی دھن میں ایک ایک لمحہ کام کرنے پر اس طرح تلے رہتے کہ اماں کو ہفتے میں ایک دن آرام لینے کے لیے آمادہ کرنے پر بڑا اصرار کرنا پڑتا تھا، اور وہ بھی اتوار کے مذہبی احترام کی خاطر۔ موسم خراب ہوتا تو وہ گھر میں ادھر سے اُدھر اس طرح بے کل اور بپھرے سے پھرتے جیسے اُن کی بڑی جنگ ہو رہی ہے، کام سے باز رکھنے کے لیے کوئی چال چلی جا رہی ہے۔ اور وہی آج پورے ایک دن آرام لینے کی سوچ رہے تھے۔ اماں حیران ہوئیں مگر فوراً تائید میں بولیں:

''آپ ہم پر بڑا احسان کریں گے مسٹر شین! ہماری اس وادی میں کب کوئی مہمان آتا ہے۔ آپ ٹھہر جائیں تو بہت ہی اچھا ہو۔ اس کے علاوہ ......'' اُنھوں نے ویسے ہی ناک چڑھائی جیسے کوئی نئی چیز منوانی ہوتی تو ابا کو چھیڑنے کے لیے اُن کی عادت تھی۔ ''اس کے علاوہ میں تو سوچ رہی تھی کہ کوئی موقع ہو تو سیب کی پائی تیار کروں، جس کی میں نے تعریف بہت سنی ہے۔ ان دونوں کو بھلا اس کی کیا قدر۔ ان کے سامنے تو جو کچھ رکھ دو، کھا لیتے ہیں۔ اچھے برے سے کم ہی غرض ہوتی ہے۔''

وہ منہ اُٹھائے دور کہیں تک رہا تھا۔ اُنھوں نے اُس کی طرف انگلی اُٹھاتے ہوئے پھر کہا۔ ''ایک بات اور بھی ہے۔ میرے دل میں بہت دن سے تھا کہ کوئی ملے تو جی بھر کے پوچھوں کہ اُدھر تہذیب یافتہ علاقوں میں عورتیں کیا لباس پہنتی ہیں، یعنی سر وغیرہ کے پہناوے کیسے ہوتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ تم نے ضرور خیال سے دیکھا ہوگا۔ تم مجھے بتائے بغیر نہیں جا سکتے۔''

شین کرسی سے کمر لگا کے بیٹھ گیا۔ اس کے سُتے ہوئے چہرے پر ایک ہلکے سے طنز کی جھلک تھی۔ ''بیگم صاحب! معلوم نہیں میں کیونکر آپ کو اس بات کی داد دے سکتا ہوں۔ اب تک تو کسی نے مجھے عورتوں کے لباس کا ماہر قرار دیا نہیں تھا۔'' اُس نے جھک کر اپنی پیالی میز کے اُس طرف کھسکا دی۔ ''آپ نے کچھ کافی کے بارے میں کہا تھا۔ کیا اور تیار ہو رہی ہے؟ مگر میں اب کیک زیادہ نہیں کھا سکوں گا۔ اب میں اُس پائی کے لیے پیٹ میں گنجائش چھوڑ

دوں جو آپ بنانے والی ہیں؟''

''ہاں ضرور!'' ابّا بولے، جیسے کسی بات پر بہت ہی خوش ہوں۔ ''میرین پکانے پر آتی ہیں تو بھول ہی جاتی ہیں کہ مردوں کے پیٹ کی بھی آخر ایک حد ہوتی ہے۔ مگر بھائی صاحب، آپ انھیں نئی وضع کے ہیٹوں کی ہوا نہ لگائیے ورنہ فرمائشوں کی بھرمار ہو جائے گی اور میرا پیسہ فضول نمائش پر برباد ہوگا۔ ان کے پاس ہے ٹوپی۔''

اماں نے اس پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ وہ جانتی تھیں کہ باتیں تو وہ بناتے ہی ہیں۔ لیکن جب وہ کسی چیز کو دل پر رکھ لیتیں اور ذرا بھی اصرار کرتیں تو ابّا جیسے بھی بن پڑتا حاضر کر کے رہتے۔ انھوں نے جھپاک سے کافی دان میز پر لا رکھا۔ سب کی پیالیاں بھریں اور پھر اُس کے قریب خود بھی میز پر آ بیٹھیں۔

○

میں سمجھا تھا کہ ٹوپیوں کا ذکر محض مذاق ہوگا اور وہ یونہی مہمان کو ٹھہرانے میں ابّا کے ساتھ ہو گئی ہیں۔ مگر انھوں نے اُسی دم سوالوں کی بوچھاڑ کر دی کہ چینے اور دوسرے شہروں میں اُس نے کیسی عورتوں کو دیکھا تھا جہاں نئی سے نئی وضعیں نکلتی رہتی ہیں۔ وہ بھی بڑے اطمینان سے گھل مل کر بیٹھا بتاتا رہا کہ وہاں کی عورتیں کیسی چکلے چکلے جھالر کے کناروں کی ٹوپیاں پہنتی ہیں، اُن پر اوپر نیچے بہت سے پھول سجاتی ہیں، پہلو کے سوراخوں میں سے رومال پرو کر ٹھوڑی کے نیچے صلیبی گرہ دے لیتی ہیں۔

اس قسم کی باتیں بڑوں کی زبان سے مجھے بڑی حماقت کی لگیں۔ مگر شین کو اس کا احساس نہیں تھا۔ ابّا ایسے سن رہے تھے جیسے خبر ٹھیک ہے مگر زیادہ دلچسپ تذکرہ نہیں۔ وہ زیادہ تر چپ چاپ سنتے رہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر میں اپنی فصلوں اور بیلوں کی بات چھیڑنے کی کوشش کرتے مگر چلنے نہ پاتی۔ پھر چھیڑتے پھر رہ جاتی۔ وہ اُن لوگوں کو دیکھ کر مسکرا کے سر ہلانے لگتے۔ باہر جو بارش ہو رہی تھی وہ گویا ہم لوگوں سے بہت ہی دور تھی کیونکہ ہمارے باورچی خانے کی پُرلطف اور پُرخلوص باتیں ہماری چھوٹی سی دنیا کو منور کرنے کے لیے کافی تھیں۔

پھر شمین ذوج کے شہر میں مویشیوں کی نمائش کا تذکرہ کرنے لگا۔ اب ابا بڑے ذوق و شوق سے سننے لگے اور اس دفعہ اماں نے دخل در معقولات کیا کہ "دیکھو، دھوپ کھل گئی۔"

بے شک دھوپ نکل آئی تھی اور ایسی صاف اور سہانی کہ جی بے اختیار باہر نکل کے اُس کی تازگی اور گرمی کا لطف اُٹھانے کو چاہا۔ ابا کو بھی ایسا ہی محسوس ہوا ہوگا کیونکہ وہ جھٹ کھڑے ہو گئے اور گویا چلا ہی پڑے۔ "آؤ شمین آؤ۔ میں تم کو دکھاؤں کہ موسم کی یہ انکھیلیاں میرے لگائے ہوئے الفالفا کے حق میں کیا اثر رکھتی ہیں۔ تم دیکھ لو گے کہ اکھوے کیسے زور سے پھوٹنے ہی والے ہیں۔"

شمین اُن سے ایک ہی قدم پیچھے ہوگا مگر میں دونوں سے پہلے دروازے پر تھا۔ اماں ہمارے پیچھے آئیں اور کچھ دیر سائبان کے اندر کھڑی ہم تینوں کو جاتے دیکھتی رہیں۔ ہم پانی سے بھرے گڑھوں اور اونچی گھاس سے بچتے بچاتے چلے جا رہے تھے جس پر بارش کے تازہ قطرے چمک رہے تھے۔ ہم نے تقریباً سارے ہی احاطے کا گشت کیا۔ ابا ہی سب سے زیادہ بولتے رہے اور اپنے منصوبوں کے بارے میں ایسے جوش و خروش سے باتیں کیں کہ ہفتوں سے نہ کی تھیں۔ اور جس وقت اُن کی گفتگو کی تان ٹوٹی تو ہم غلے کی کوٹھی کے پیچھے پہنچ چکے تھے جہاں سے ہمارا چھوٹا سا گلّہ چراگاہ میں پھرتا نظر آ رہا تھا۔ پھر وہ رک گئے۔ انھیں محسوس ہو گیا کہ شمین زیادہ توجہ نہیں دے رہا ہے۔ انھوں نے دیکھا کہ شمین کی نظریں کٹے ہوئے درخت کے ایک ٹھنٹھ پر ٹھہر گئی تھیں، اور وہ ایک لمحے کو چپ ہو گئے۔

وہ ہمارے تمام احاطے میں ایک ہی بدنما چیز تھی۔ کوٹھی کے پیچھے کی جانب تمام صاف ستھری جگہ میں پھوڑا سا نکلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ یہ بڑا سارا تمام جگہ میں پھیلا ہوا ایک ٹھنٹھ کسی زبردست پرانے درخت کی یادگار معلوم ہوتا تھا جو ہمارے آنے سے بہت پہلے سوکھ چکا ہوگا اور پھر آندھی کے کسی جھکڑ میں ٹوٹ کر گر پڑا ہوگا۔ وہ اتنا چوڑا چکلا تھا کہ اگر اوپر سے ہموار ہوتا تو خاصا بڑا کنبہ اُس پر بیٹھ کے کھانا کھا لیتا۔

مگر ایسا ہو نہ سکتا کیونکہ لوگ اس کے گرد بیٹھ نہ سکتے تھے۔ بڑی بڑی بے ہنگم جڑیں

چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ بعض اتنی بڑی جیسے میری کمر۔ ٹیڑھی، ترچھی، بل کھاتی ہوئی زمین میں ایسی پیوست جیسے قیامت تک یہاں سے نہ ہلیں گی۔

مویشیوں کا احاطہ بنانے کے بعد ابا کبھی کبھی اس پر کلہاڑا چلاتے رہتے تھے مگر بہت نہ کاٹنے پاتے۔ لکڑی اتنی سخت تھی کہ ایک وار میں چوتھائی انچ سے زیادہ پھل اندر نہ جاتا۔ میرا خیال ہے کہ کوئی پرانا برگد ہوگا۔ ایسے چند ہی درخت وادی میں اس طرف ملتے تھے۔ مگر جو تھے وہ بہت ہی زبردست اور قدآور تھے۔ اسے فولادی لکڑی کہا جاتا تھا۔

ابا نے اُس کے گرد آگ جلانی چاہی۔ وہ ٹمدار ٹھنٹھ آگ کی ہنسی اُڑاتا دکھائی دیتا تھا۔ جلنے سے لکڑی اور بھی پتھر ہو جاتی۔ چنانچہ ابا اُسے رفتہ رفتہ ایک ایک جڑ کر کے کاٹ رہے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ اُسے بہت زیادہ وقت نہیں دے سکتے۔ کبھی کبھی کسی بات پر بپھرے ہوئے ہوتے تو ایک دم آتے اور کسی ایک جڑ پر پل جاتے۔

وہ ٹھنٹھ کے پاس گئے اور قریب کی جڑ پر ایک ٹھوکر کس کے لگائی۔ وہ جب اس کے پاس سے گزرتے، یونہی ٹھکرا کے جاتے۔ "ہاں!" اُنھوں نے کہا۔ "یہ بھی ایک چکی کا پاٹ ہے جو میرے گلے میں پڑا ہے۔ یہی ایک نامعقول شے یہاں ہے جسے میں اب تک ٹھکانے نہیں لگا سکا۔ مگر چھوڑوں گا نہیں۔ اُس شخص کے سامنے کون سی لکڑی ٹھہرے گی جو بس ہی نہ کرے گا۔"

وہ ٹھنٹھ کو اِس طرح گھورنے لگے جیسے کوئی دیوہیکل آدمی اُن کے سامنے نمودار ہو گیا ہو۔ "میں تمھیں بتاؤں شین، میں نے اتنے عرصے تک اس ٹھنٹھ پر زور آزمائی کی ہے کہ اب اس نے میرے دل میں ایک جگہ پیدا کر لی ہے۔ یہ بڑا ہٹیلا ہے۔ میں ہٹ کو پسند کرتا ہوں۔ صحیح قسم کی ہٹ۔"

وہ پھر آگے چل پڑے اور برابر بولے گئے۔ خوش بھی تھے کہ دل کی باتیں زبان پر آ رہی ہیں۔ مگر پھر اُنھوں نے دیکھا کہ شین زیادہ توجہ نہیں دے رہا ہے بلکہ کسی دور کی آواز پر کان لگائے ہوئے ہے۔ ضرور کوئی گھوڑا سڑک پر چلا آ رہا تھا۔

اُس کے ساتھ ہی میری اور ابا کی نظریں بھی بستی کی طرف مڑیں اور ہمیں کوئی پاؤ میل پر درختوں اور لمبی لمبی گھاس کے درمیان ایک لمبی گردن کا سرخ گھوڑا ریڑھی ہانکتا نظر پڑا۔ اُس کے سُموں سے کچھ ضرور اڑ رہی تھی مگر راستہ برا نہ تھا، اور وہ بے تکان بڑھا چلا آ رہا تھا۔ شمین نے اپنے پہلو میں ابا کی طرف دیکھا۔

''سفر کے قابل نہیں۔'' اُس نے دھیمے سے کہا۔ ''تمھارا جھوٹ بڑی جلدی کھل جاتا ہے۔''

پھر اس کی توجہ ریڑھی پر گئی اور وہ بڑے انہماک کے ساتھ مستعد کھڑا گاڑی بان کو دیکھتا رہا جو اپنی ہلتی جلتی جگہ پر تنا ہوا بیٹھا گاڑی ہنکار رہا تھا۔

ابا شمین کی بات پر کھسیانے پن سے ہنسے۔

''جیک لیڈیارڈ کی گاڑی ہے۔'' وہ سڑک کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔ ''میرا خیال ٹھیک تھا کہ وہ شاید اس ہفتے یہاں آئے۔ خدا کرے وہ ہل بھی لایا ہو جس کی مجھے ضرورت ہے۔''

○

لیڈیارڈ چھوٹے سے قد کا دبلا پتلا آدمی تھا۔ ایک قسم کا بیوپاری جو مہینے دو مہینے میں کچھ سامان لے کر پھیری لگایا کرتا تھا۔ یہ سامان عموماً بستی کے جنرل سٹور میں نہیں ملتا تھا۔ وہ اپنا سامان ایک خچر گاڑی پر لاد کر لاتا جسے ایک سفید بالوں والا نیگرو ہنکاتا تھا، جو خود کو ایسا سہما سہما ظاہر کرتا جیسے بغیر اجازت کسی سے بات کرنے سے بھی خوف کے مارے دم نکلتا ہو۔ لیڈیارڈ اپنی ریڑھی میں سامان بھر کر پھیری کو نکلتا اور ہر سودے پر یہی کہتا کہ کچھ نفع نہ ملا، اور اگلے پھیرے کے لیے فرمائشیں اکٹھی کرتا جاتا۔ مجھے یہ آدمی پسند نہ تھا، اگرچہ وہ اوپری دل سے میری بڑی تعریفیں کرتا تھا تاکہ ابا خوش ہوں۔ وہ ہنستا بھی بہت تھا مگر اُس کی ہنسی میں سچی دوستی کا پتہ نہ تھا۔

اتنے میں کہ ہم سائبان تک پہنچیں اُس کی گاڑی سڑک پر مڑ چکی تھی اور وہ اُسے روک

ہی رہا تھا۔ وہ اُتر پڑا اور پکار کر سلام کیا۔ ابا اُس سے ملنے کو بڑھے۔ شمین سائبان کے پاس ہی جنگلے کی بلّی سے ٹیک لگائے کھڑا رہا۔

"لیجیے یہ رہی۔" لیڈیارڈ بولا۔ "وہی تحفہ چیز جس کا میں نے آپ سے ذکر کیا تھا۔" اُس نے گاڑی پر کسے ہوئے کپڑے کو جھٹک کر ہٹایا اور ایک نیا سات پھلوں والا ہل ایک طرف پڑا ہوا دھوپ میں چمکتا دکھائی دیا۔ "یہ بہترین مال ہے جو میں اب کے پھیرے میں لایا ہوں۔"

ابا نے لمبا سا ہنکارا بھرا۔ "تم نے بالکل ٹھیک چیز لی۔ مجھے یہی چاہیے تھی۔ مگر جب تم بہترین مال کا نام لیتے ہو تو اس کا مطلب لمبے چوڑے دام ہوتے ہیں۔ دام بتاؤ۔"

"داموں کا یوں سمجھیے۔" لیڈیارڈ نے دھیرے دھیرے کہنا شروع کیا۔ "کہ یہ چیز دراصل مجھے اُس سے کہیں زیادہ مہنگی پڑی جو میں نے پچھلی بار کہا تھا جب ہم سے آپ سے اس کی بات ہوئی تھی۔ آپ کو شاید فرق زیادہ معلوم ہو مگر دراصل ایسا نہیں ہے۔ اس نئی نویلی چیز کو دیکھیے تو دام زیادہ نہیں معلوم ہوں گے۔ آپ کو تو تھوڑے ہی دن میں دام وصول ہو جائیں گے۔ یوں کہ محنت کتنی بچے گی۔ اور کام میں ایسا ہلکا ہے کہ یہ بچہ بھی تھوڑے دنوں میں بڑی اچھی طرح چلا لے گا۔"

"سیدھی بات کہو۔" ابا نے کہا۔ "میں نے تم سے دام پوچھے ہیں۔"

اب کے لیڈیارڈ ذرا جلدی جلدی بولا۔ "چلو یوں سہی۔ میں تمھاری خاطر دام گھٹائے دیتا ہوں۔ اچھے گاہک کے لیے تھوڑا سا نقصان بھی سہہ لینا چاہیے۔ بس ایک سو دس (۱۱۰) ہی میں دیے دیتا ہوں۔"

اس پر میں شمین کی آواز سن کر چونک پڑا۔ وہ بڑی آہستگی کے ساتھ طنزاً بولا۔ "دیے دیتا ہوں! بے شک ایک ایسا ہی ہل پچھلے مہینے میں ایک دوکان پر رکھا تھا۔ لکھے ہوئے دام ۶۰ ڈالر۔"

لیڈیارڈ تھوڑا سا آگے بڑھا۔ اُس نے پہلی بار ہمارے گھر کے نووارد کو غور سے دیکھا۔ وہ بناوٹی ہنسی اُس کے چہرے سے کافور ہو گئی۔ اُس کی آواز بھرا گئی۔

"آپ سے کس نے کہا کہ اِس معاملے میں دخل دیں؟"

''کہتا کون، تمھاری بات پر۔'' اس نے کہا اور اطمینان سے اسی طرح جنگلے پر جھکا کھڑا رہا۔ کوئی جنبش نہ کی اور نہ کچھ اور بولا۔ لیڈیارڈ نے ابا کی طرف منہ کر کے جلدی جلدی بولنا شروع کیا:

''سنیریٹ! ان کے کہنے پر مت جاؤ۔ میں سمجھ گیا یہ کون حضرت ہیں۔ میں نے راستے میں کچھ نہیں تو پانچ چھے جگہ ان کا چرچا سنا۔ کوئی انھیں نہیں جانتا، کوئی نہیں پہچانتا۔ مگر میں شاید سمجھ گیا ہوں۔ کچھ نہیں، ایک آوارہ گرد ہیں۔ شاید کہیں سے نکالے گئے ہیں اور پناہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ تعجب ہے آپ ان کو یہاں ٹھہرانے پر تیار کیسے ہو گئے۔''

''تم کو تو اور بہت سی باتوں پر بھی تعجب ہو سکتا ہے۔'' ابا نے کہا۔ اب وہ قصہ مختصر کرنا چاہتے تھے۔ ''بس اب دام کہو سیدھے سیدھے۔''

''دام وہی ہیں جو میں نے کہے۔ سو اوپر دس۔ گھاٹا تو اس سودے میں اٹھانا ہی ہے۔ اس لیے چلو دس اور چھوڑے۔ آپ اسی میں خوش ہیں تو سو لے لوں گا۔'' لیڈیارڈ نے رکتے رکتے کہا۔ وہ ابا کے تیور بھانپتا جاتا تھا۔

''ہو سکتا ہے کہ ان حضرت نے کوئی اس طرح کی چیز چینے میں دیکھی ہو، مگر انھیں دھوکا ضرور ہے۔ وہ ایسی ہی کوئی گھٹیا سی چیز ہوگی، کا جو بھو جو، اور اس سے کوئی آدھی پونی۔ وہی آ سکتی ہے اُن داموں میں جو یہ بتاتے ہیں۔''

ابا کچھ نہیں بولے۔ وہ برابر لیڈیارڈ کی طرف دیکھتے رہے۔ انھوں نے آواز کی طرف رخ بھی نہیں کیا جیسے انھوں نے سنا ہی نہیں کہ اس نے کیا کہا۔ مگر انھوں نے ہونٹ بھینچ رکھے تھے اور جیسے اندر ہی اندر بدمزہ ہو رہے تھے۔ لیڈیارڈ تھوڑی دیر دیکھتا رہا۔ مگر ابا کچھ نہ بولے تو وہ برس پڑا:

''سنیریٹ، کیا تم یونہی کھڑے ہو کر دیکھتے رہو گے اور یہ شخص جس کا نام نشان بھی کوئی نہیں جانتا مجھے جھوٹا بتائے گا؟ تم مجھ سے زیادہ اس کی بات مانتے ہو؟ اس کے کپڑے تو دیکھو۔ یہ واہی تباہی آدمی......''

لیڈیارڈ رک گیا۔ الفاظ اُس کے گلے میں پھنس گئے۔ وہ یکا یک کچھ سہم کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے مڑ کر شین کو دیکھا تو بات سمجھ میں آئی۔ وہی خوف جو مجھے ایک دن پہلے محسوس ہوا تھا، پھر پیدا ہو رہا تھا۔ شین اب کٹہرے سے ٹیک لگائے ہوئے نہیں تھا بلکہ سیدھا کھڑا تھا۔ اُس نے مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں اور لیڈیارڈ کو تیز تیز نظروں سے گھور رہا تھا، جست بھرنے کو تیار۔

ایک خوفناک طوفان سا تھا جو کسی لمحے میں بھی پھٹ پڑتا، مگر پھر سکون ہوگیا۔ خیریت گزری اور طوفان خاموشی سے ٹل گیا۔ شین کی نظروں کی وہ چمک اور تیزی ماند پڑ گئی اور اُس کی جگہ ایک گہرے کرب کے آثار جھلکنے لگے۔

ابا اس طرح کھڑے تھے کہ دونوں کو ایک نظر میں دیکھ سکتے تھے۔ وہ صرف لیڈیارڈ سے مخاطب ہوئے:

''ہاں لیڈیارڈ! مجھے ان کی بات کا اعتبار ہے۔ یہ میرے مہمان ہیں۔ میرے اصرار پر یہاں ٹھہرے ہیں۔ مگر کچھ اس سبب سے نہیں۔'' ابا کی پیٹھ ذرا تن گئی اور گردن اکڑا کے سامنے دریا کے پار تکنے لگے۔ ''مجھے آدمی کی پرکھ ہے۔ یہ سال کے ۳۶۵ دن میں جتنی بھی باتیں کہیں گے مجھے اُن کا اعتبار ہوگا۔'' اس پر ابا کی تنی ہوئی گردن جھک گئی۔ اُن کا لہجہ دھیما تھا مگر اُس میں آخری بات کا سا انداز تھا۔ ''اس کے دام ساٹھ ڈالر ہیں، دس اور نفع کے لگا لو، حق حلال کے، حالانکہ تم نے تھوک میں خریدی ہوگی۔ دس اور لے لو اسے یہاں تک ٹھیل لانے کے۔ یہ کُل کُل اسّی ہوئے۔ اب چاہے چھوڑ جاؤ چاہے لے جاؤ۔ جلدی بتاؤ اور یہاں سے دفعان ہو۔''

لیڈیارڈ نظریں جھکائے ہتھیلیاں مل رہا تھا۔ ''کہاں ہے رقم؟'' اُس نے کہا۔

ابا گھر میں گئے۔ گھر کا روپیہ سونے کے کمرے میں ایک چھوٹے سے چمڑے کے بٹوے میں رہتا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ کچھ مڑے تڑے ہوئے نوٹ لے کر آ گئے۔ اس عرصے میں شین وہیں رہا۔ ہلا جلا بھی نہیں۔ اُس کا چہرہ درشت تھا اور آنکھیں ابا کے ساتھ ساتھ تھیں۔ اُن میں

ایک ایسی وحشت تھی جسے میں نہ سمجھ سکا۔

لیڈیارڈ نے ابا کے ساتھ مل کر بل نیچے اُتروایا۔ پھر گاڑی پر اُچک کے بیٹھا اور چل دیا جیسے جان بچی لاکھوں پائے۔ ابا نے اور میں نے اُس کی طرف سے منہ موڑ کر شین کو دیکھا تو وہ غائب تھا۔ ابا نے تعجب سے گردن ہلائی۔ ''بھلا تمھارے خیال میں کہاں ....'' وہ کہنے نہ پائے تھے کہ شین غلے کی کوٹھی میں سے نکلا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک کلہاڑا تھا جو ابا سخت لکڑی چیرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ وہ سیدھا گھر کے پیچھے پہنچا۔ ہم دیکھ رہے تھے اور وہیں کھڑے تھے کہ لکڑی پر کلہاڑا چلنے کی آواز آئی۔

○

مجھ پر اس آواز کا عجیب اثر ہو رہا تھا۔ میرے جسم پر اس طرح کی ضربیں آ کر پڑ رہی تھیں کہ پہلے کسی آواز سے نہ پڑی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی جسم میں ایک گرمی سی محسوس ہوئی جس نے وہ خوف فوراً دور کر دیا جو اس نووارد نے پہلے پہل مجھ پر طاری کر دیا تھا۔ اُس کے اندر ایک خشونت اور سنگینی تھی مگر یہ ہمارے واسطے نہ تھی۔ وہ خطرناک بھی تھا جیسا کہ اماں نے سمجھا، مگر جیسا کہ ابا نے کہا، ہمارے لیے نہیں۔ اور اب وہ اجنبی نہ رہا تھا۔ وہ بھی ابا کی ہی طرح کا ایک آدمی تھا جس پر ایک بچہ بے خوف بھروسہ کر سکتا تھا، یہ سمجھ کر کہ بعض باتیں جو سمجھ سے بالاتر ہوں، وہ پھر بھی کھری، سچی، پختہ اور درست ہو سکتی ہیں۔

میں نے ابا کو دیکھا، یہ جاننے کے لیے کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ مگر وہ کوٹھی کی طرف چل دیے اور ایسے لمبے لمبے قدم بھرتے ہوئے کہ مجھے اُن کے ساتھ دوڑنا پڑا۔ ہم چکر کاٹ کر پیچھے گئے۔ وہاں شین اُس پرانے ٹھنٹھ کی سب سے بڑی ان کٹی جڑ پر پلا ہوا تھا۔ وہ اُس پر پے بہ پے تول تول کر وار کر رہا تھا اور ایسی ہی گہری ضربیں لگا رہا تھا جیسی کہ ابا لگاتے تھے۔

ابا کمر پر ہاتھ رکھے، دونوں پاؤں پھیلائے کھڑے تھے۔ ''دیکھو سنو،'' وہ بولے۔ ''تم سے کس نے کہا....''

شین نے کلہاڑا روک کر بس ایک نظر ہم پر ڈالی۔ ''آدمی کو اپنا قرضہ چکانا چاہیے۔'' یہ

کہہ کر پھر اُس نے کلہاڑے کو گھما کر ایک چوٹ لگائی۔ اُس نے واقعی ساری جڑ کاٹ کے رکھ دی تھی۔ وہ اُس پر اس بری طرح پلا ہوا تھا کہ مجھ سے چپ نہ رہا گیا۔ ’’تم کو ہمارا کچھ بھی نہیں دینا۔‘‘ میں بولا۔ ’’ہمارے ہاں تو لوگ اکثر آ کے کھانا کھاتے ہیں اور.....‘‘

’’نہیں بیٹا۔‘‘ ابا نے میرا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ ’’ان کا مطلب کھانے سے نہیں ہے۔‘‘ وہ مسکرا رہے تھے مگر پلکیں بار بار جھپک رہی تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ کھڑے شین کو دیکھتے رہے۔

وہ تماشا بھی دیکھنے کے قابل تھا۔ جب بھی ابا اُس ٹھنٹھ پر زور آزمائی کرتے تب بھی دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔ انھیں کلہاڑا چلانا خوب آتا تھا اور حیرت یہ دیکھ کر ہوتی تھی کہ وہ اس سدھے سدھائے اوزار کو کیسی مضبوطی اور اٹل ارادے کے ساتھ اس سخت جان لکڑی کے مقابلہ پر چلاتے ہیں جیسے قسم کھائے ہوئے ہیں۔ مگر اس دفعہ کچھ اور صورت تھی۔ جب شین نے یہ دیکھ لیا کہ کام کس قسم کا ہے اور اسے کس طرح کرنا ہوگا تو دیکھنے کے قابل یہ تھا کہ وہ کس اطمینان اور یکسانیت کے ساتھ ہر چوٹ پر اپنا زور صرف کر رہا تھا۔ آدمی اور اوزار دونوں ایک دوسرے کے شریکِ کار معلوم ہوتے تھے۔ کلہاڑے کا پھل اس طرح لکڑی کے کٹاؤ میں گھستا جیسے جانتا ہو کہ کیا کرنا ہے۔ چھوٹی چھوٹی چھپٹیاں پے بہ پے اُڑ اُڑ کر آ رہی تھیں۔

ابا اُسے اور میں اُن دونوں کو دیکھتا رہا، اور وقت گزرتا گیا۔ آخر کلہاڑا آخری بکل کو کاٹ کر نکل گیا اور جڑ الگ ہوگئی۔ مجھے یقین تھا کہ اب شین دم لے گا۔ مگر اُس نے دوسرے ہی وار میں برابر کی جڑ کو سنبھالا اور پھر چوٹیں لگانی شروع کیں۔ اور پھر کلہاڑا لکڑی میں گھستا چلا گیا۔

جب کلہاڑا دوسری جڑ پر پڑا تو ابا کی پلکیں کچھ یوں جھپکیں جیسے اُن پر پڑا ہو۔ پھر اُن کا جسم ذرا تن گیا اور اُنھوں نے شین پر سے نظر ہٹا کر ٹھنٹھ کو دیکھا۔ وہ کسمسا کر پہلو بدلنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد وہ اُس کے گرد اس طرح گھومنے لگے جیسے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو۔ آخر اُنھوں نے قریب کی جڑ پر ایک ٹھوکر لگائی اور تیزی سے پلٹ کر اندر گئے اور ذرا دیر میں دوسرا کلہاڑا لے کر

آ گئے۔ بڑا دو پھلوں والا، جسے میں تو اُٹھا بھی نہ سکتا تھا۔

انھوں نے شمین کے بالکل سامنے والی جڑ سنبھالی۔ اس دفعہ اُن میں وہ ہچکچاہٹ نہ تھی جو پہلے ان جڑوں کو دیکھ کر پیدا ہو جاتی تھی بلکہ چہرے پر ایک متانت اور اطمینان تھا۔ انھوں نے کلہاڑا اس طرح گھمایا جیسے بچوں کا کھلونا ہو۔ کلہاڑا پہلی ہی ضرب میں کوئی آدھا انچ گھس گیا ہوگا۔ اس کی آواز پر شمین سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ٹھنٹھ کے دونوں طرف سے دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ٹھٹھک گئے، مگر کسی نے کچھ نہ کہا۔ پھر وہ اپنے اپنے کلہاڑے تول تول کر مارتے رہے اور اس پرانے ٹھنٹھ کا صفایا کر دیا۔

باب-۳

پہلے پہلے اُن کو دیکھ کر دل میں بڑا جوش اُٹھتا تھا۔ وہ تیز تیز وار کر رہے تھے اور چھپٹیاں ناچتی ہوئی اُڑ رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ اب دونوں ایک ایک جڑ کاٹ کر بس کریں گے۔ مگر شمین نے اپنی جڑ صاف کی اور ابّا کو دوسری سمت کام میں لگا دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ایک اور جڑ پر پہنچ گیا۔ چند لمحے بعد ابّا نے وہ جڑ کاٹ پھینکی، ایک ایسی آخری ضرب کے ساتھ کہ کلہاڑا زمین میں جا گھسا۔ اُس کا پھل باہر نکالنے کے لیے اُنھیں کافی کوشش کرنی پڑی اور وہ اُسے پونچھے بغیر ہی ایک اور جڑ پر چل گئے۔ ایک قصہ طویل ہوتا دکھائی دیتا تھا اس لیے میں نے کھسکنا شروع کیا۔ جونہی میں گھر کے کونے پر پہنچا، اماں دوسری طرف سے آتی ہوئی ملیں۔

جو فرحت مجھے اُن کو دیکھ کر ہوتی تھی اور جیسا حسن مجھے اُن کے اندر ملتا تھا، میں نے کسی چیز میں نہیں دیکھا۔ اُنھوں نے اپنے ہیٹ میں سے اُسی طرح رومال نکال کر گرہ دی تھی جیسے کہ شمین نے بتایا تھا۔ آگے گھر کے پھولوں کا گلدستہ سجا ہوا تھا۔ اُنھوں نے اُسی طرح حاشیے میں شگاف دیے تھے، اور سب سے بڑھیا رومال سر پر سے پیچ کھاتا ہوا شگافوں میں سے گزار کے ٹھوڑی کے نیچے نکالا تھا اور اُس میں بڑی بانکی وضع کی گرہ دی تھی۔ وہ بڑے ناز سے اٹھلاتی ہوئی چلی آ رہی تھیں۔

وہ ٹھنٹھ کے قریب پہنچیں۔ وہ دونوں لکڑی کاٹنے میں اس طرح جٹے ہوئے تھے کہ اگر اُن کو پتہ بھی چلا کہ وہ آئی ہیں تو نظر نہ اُٹھائی۔

''اچھا!'' وہ بولیں۔ ''کیا تم لوگ میری طرف بالکل نہ دیکھو گے؟''

دونوں ٹھہر گئے اور اماں کی طرف دیکھنے لگے۔

''کیا میں نے ٹھیک طرح بنایا ہے اسے؟'' وہ شمین سے بولیں۔ ''کیا وہ لوگ اسے

یوں ہی سجاتے ہیں؟"

"جی میڈیم!" اُس نے کہا۔ "قریب قریب اسی طرح۔ البتہ اُن کے حاشیے ذرا زیادہ چٹکیلے ہوتے ہیں۔" اور پھر وہ جز کی گُنائی میں لگ گیا۔

"جوسفیریت!" اماں نے پکارا۔ "آخر کچھ تم بھی بتاؤ گے یا نہیں کہ میں اس لباس میں تم کو کیسی لگتی ہوں؟"

"دیکھو میرین!" ابا نے کہا۔ "تم کو خوب معلوم ہے کہ تمھارا سر ڈھکا ہو یا کھلا، تم میرے لیے سب سے اچھی سب سے عمدہ چیز ہو جو خدا کی اس سرسبز دنیا میں پیدا ہوئی ہے۔ اب کام میں حرج نہ کرو۔ دیکھتی نہیں ہو کہ ہم مصروف ہیں۔" اور وہ بھی جز کی طرف پلٹ پڑے۔

"ہوں!" اماں بولیں۔ "یہ عجیب قسم کا آرام لیا تم نے آج کے دن۔"

ابا کلہاڑا زمین پر ٹکائے کھڑے ہو گئے۔ "شاید تم کو یہ عجیب لگتا ہو میرین، مگر میری یاد میں اس سے زیادہ سکون مجھے کبھی نہ ملا تھا۔"

"ہوں۔" اُنھوں نے زور کا ہنکارا بھرا۔ "تم کو اپنے آرام میں تھوڑا سا خلل ڈالنا ہوگا اور کچھ اور کرنا ہوگا جسے شاید تم "کام" کہو گے۔ کھانا میز پر رکھا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

وہ فوراً پلٹ گئیں اور سیدھی گھر کے اندر پہنچیں۔ ہم سب بھی اُن کے پیچھے پیچھے پہنچ گئے اور بڑا بے لطف سا کھانا شروع ہوا۔ اماں اس کی قائل تھیں کہ کھانے پر تہذیب اور تکلف برتنا چاہیے، خصوصاً جب کہ کچھ ساتھی بھی ہوں تو اور بھی زیادہ۔ اس دفعہ واقعی وہ کافی تپاک برت رہی تھیں۔ بہت ہی خوش مزاجی سے کام لے رہی تھیں۔ سب کے حصے کی باتیں خود ہی کر رہی تھیں۔ مگر ٹوپی کا کوئی ذکر نہ تھا جسے اُنھوں نے چولھے کے پاس کرسی پر ڈال دیا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ ضرورت سے زیادہ پر تپاک ہو گئی تھیں۔ وہ بڑی کوشش سے خوش مزاجی پیدا کر رہی تھیں۔

جہاں تک نظر آتا تھا، ان دونوں آدمیوں کو اس کی زیادہ پروا نہ تھی۔ وہ اُن کی باتوں کو بے توجہی سے سن رہے تھے۔ جب وہ مخاطب ہو کر کوئی سوال کرتیں تو بولتے ورنہ چپ رہتے۔ اُن کا دھیان اُسی کھٹکھٹ میں پڑا تھا۔ اُس نے اُن کی نظر میں خاص اہمیت حاصل کر لی تھی، اب

وہ چاہے کیسی بھی سہی۔ اور اُن کو واپس جا کر اُسی پر لگ جانے کی جلدی تھی۔

جب وہ باہر چلے گئے اور میں اماں کے ساتھ تھوڑی دیر کو برتن صاف کرنے لگا تو اُنھوں نے گنگنانا شروع کر دیا اور میں نے سمجھ لیا کہ اُن کا غصہ اُتر چکا ہے۔ وہ ایسی حیرت میں تھیں کہ اُن کے ذہن میں کسی احساس یا اور خیال کی گنجائش ہی نہ تھی۔

''کیا ہوتا رہا باہر باب؟'' اُنھوں نے مجھ سے پوچھا۔ ''یہ ان لوگوں کے جی میں کیا سما گئی؟!''

مجھے ٹھیک معلوم ہی نہ تھا۔ میں اُن کو لیڈیارڈ کے آنے ہی کا حال بتا سکا کہ کس طرح مہمان نے اُس کو بل کی قیمت پر ٹوکا۔ میں نے اُلٹے سیدھے لفظ استعمال کیے ہوں گے کیونکہ جب میں نے کہا کہ لیڈیارڈ نے شین کو برا بھلا کہا اور اس پر اُس کی کیا کیفیت ہوئی تو اُن کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''کیا کہہ رہے ہو باب! تم ڈر گئے اُس سے؟ اُس نے ڈرا دیا تم کو؟ تمھارے ابا بھی اُس کو ڈرانے نہ دیں گے۔''

''میں اُس سے نہیں ڈرا۔'' میں نے کہا اور اُن کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ کس قسم کا لرزہ تھا۔ ''میں تو...... میں بس خود ہی ڈر گیا تھا۔ مجھے تو اس بات کا خوف تھا کہ نہ معلوم کیا ہو جائے۔''

اُنھوں نے میرے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور نرمی سے کہا۔ ''ہاں میں سمجھتی ہوں۔ میں خود بھی اُس سے کچھ اسی طرح ڈر گئی تھی۔'' وہ کھڑکی کے پاس جا کر اناج کے کھتے کو دیکھنے لگیں۔ دوہرے دوہرے واروں کی متواتر ضربیں باورچی خانے میں مدھم مگر صاف سنائی دے رہی تھیں، اتنی قریب قریب کہ جیسے ایک ہی آواز ہو۔ ''کاش جو کی سمجھ میں آ جائے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔'' اُنھوں نے منہ ہی منہ میں کہا۔ پھر مجھ سے بولیں۔ ''جاؤ جاؤ باب۔ میں خود ہی ختم کر لوں گی۔''

○

اب اُن کو کام کرتے دیکھنے میں اتنا مزا نہیں آ رہا تھا۔ تیزی گم ہوگئی تھی مگر حسن باقی تھی۔ ابا نے ایک دفعہ مجھے بھیج کر سان منگائی پھلوں کی دھار تیز کرنے کے لیے، اور دوسری دفعہ بیلچہ لینے بھیجا تا کہ سب سے نچلی جڑوں میں سے مٹی ہٹائی جا سکے۔ میں نے کہا اگر میں آس پاس رہا تو یہ اسی طرح کسی نہ کسی کام کے لیے دوڑاتے رہیں گے۔ بس میں چپکے سے کھسک گیا اور اماں کی پھلواری میں جا پہنچا کہ دیکھوں بارش کے بعد کیسی لگتی ہے، اور تھوڑے کیڑے اور پکڑ کے ڈبے میں بھرلوں جنھیں لے کر بستی کے لڑکوں کے ساتھ مچھلی پکڑنے جانا تھا۔

میں بڑی دیر غائب رہا اور دور ہی دور کھیلتا رہا۔ مگر ہر جگہ کلہاڑوں کے چلنے کی آواز پہنچ رہی تھی۔ اُسے سن سن کر محض اس خیال سے آندھ آ رہی تھی کہ وہ دونوں کس طرح جان کھپا رہے ہیں۔

تیسرے پہر کو میں اندر کی کوٹھی میں جا گھسا۔ اماں پچھلے حصے میں ایک بکس پر چڑھی ہوئی چھوٹی کھڑکی میں سے جھانک رہی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی اُتر پڑیں اور منہ پر انگلی رکھ کر خاموشی کا اشارہ کیا۔ بولیں:

''میں کہتی ہوں ان کی بعض باتیں تو بہت ہی بچکانی ہیں۔ سچ مچ اتنے بڑے بھی نہیں جتنے تم ہو۔ محض بچے ہیں۔'' اُنھوں نے مجھ سے ایسی رازداری کے ساتھ اپنے غصے کا اظہار کیا کہ مجھے اُن پر بڑا پیار آیا۔ ''اُن سے ہرگز نہ کہنا کہ میں نے کیا کہا۔ مگر اس پرانے دیو کے ساتھ جو جنگ وہ کر رہے ہیں، ہے تو بڑی شاندار۔'' اور وہ میرے پاس سے نکل کر ایسی تیزی سے گھر کی طرف چلیں کہ میں بھی بے اختیار یہ دیکھنے کے لیے چل پڑا کہ کیا کرنے والی ہیں۔

وہ تھوڑی دیر باورچی خانے میں جھپاک جھپاک کام کرتی رہیں اور ذرا سی دیر میں ایک برتن بھر بسکٹوں کی لوئیاں بنا کر تنور کے اندر رکھ دیں۔ اتنے وہ سکیں اُتنے اُنھوں نے اپنی ہیٹ اُٹھا اُس کا فیتہ جو اُدھیڑ دیا تھا، پھر سے ٹانک دیا اور منہ ہی منہ میں بولیں۔ ''اونھ! بھلا میں کیا نئی باتیں سیکھوں گی۔ یہ کوئی ڈوج کا شہر نہیں ہے۔ یہ تو کوئی چھوٹا سا ریلوے سٹیشن بھی نہیں ہے۔ یہ جو شیریٹ کی زمینداری ہے۔ مجھے اسی میں بڑا سکھ ہے۔''

بسکٹ تیار ہو گئے۔ انھوں نے ایک رکابی میں چوٹی وار بھر دیے۔ جو بچے، اُن میں سے ایک دو منہ میں رکھ لیے باقی مجھے دے دیے۔ رکابی لے کر وہ باہر گئیں اور کوٹھی کے پیچھے پہنچیں۔ کٹی ہوئی جڑوں سے گزر کر انھوں نے رکابی ٹھنٹھ کے اوپر ایک صاف سی جگہ پر رکھ دی۔ باری باری دونوں آدمیوں پر نظر ڈالی اور بولیں۔ ''اچھی دیوانوں کی جوڑی ہے۔ اور میں بھی تم سے کچھ زیادہ سیانی نہیں ہوں۔'' پھر بغیر دوبارہ نظر کیے اُلٹے پاؤں گردن اکڑائے لوٹ گئیں۔

وہ دونوں اُن کو جب تک نظر آئیں دیکھتے رہے۔ پھر بسکٹوں پر نگاہ ڈالی۔ ابا نے ایک گہرا سانس لیا۔ اتنا گہرا جیسے اُن کے بھاری بھرکم جوتوں تک سے کھنچا ہوا آیا ہو۔ مگر اس میں کوئی حسرت یا غمگینی نہ تھی۔ اُن کے اندر کوئی اتنی بڑی شے سمائی ہوئی تھی کہ وہ نچلے نہ رہ سکتے تھے۔ انھوں نے کلہاڑا ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ آگے جھک کر بسکٹوں کو گن کے دو حصے کیے اور پلیٹ کے برابر دو ڈھیریوں میں نکال کے رکھ دیے۔ ایک بسکٹ پلیٹ میں باقی بچ گیا۔ انھوں نے اُس کو بھی ایک طرف رکھا اور کلہاڑا اُٹھا کر بسکٹ کے بیچوں بیچ آہستہ سے لگا کر دو ٹکڑے کر دیے اور ایک ایک ٹکڑا دونوں ڈھیریوں میں ڈال دیا۔

شین سے انھوں نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ ایک ڈھیری انھوں نے سنبھال لی اور دوسری شین نے۔ دونوں ٹھنٹھ کے دو جانب آمنے سامنے کھڑے اس طرح بسکٹ کھا رہے تھے جیسے عمر بھر میں اس سے زیادہ اہم کام کوئی نہ کیا تھا۔ ابا نے بسکٹ ختم کر کے رکابی میں انگلیوں سے بچا ہوا چورا ٹٹولا۔ پھر ایک لمبی سی انگڑائی لی۔ اُن کا جسم تنتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ قوت کا ایک مینار نظر آنے لگے جو سہ پہر کے ڈھلتے ہوئے آفتاب تک پہنچتا تھا۔

پھر انھوں نے جلدی سے جھک کر رکابی اٹھائی اور میری طرف اچھال دی۔ اسی ایک جنبش میں کلہاڑا سنبھالا اور اُسے ایک لمبی سی قوس کی شکل میں گھما کے اُس جڑ پر مارا جس پر وہ لگے ہوئے تھے۔ شین نے بھی ویسی ہی پھرتی سے اپنا کلہاڑا اُٹھایا اور پھر وہ دونوں اُس پرانے ٹھنٹھ پر برس پڑے۔

○

میں نے رکابی لاکر اماں کو دی۔ وہ باورچی خانے میں سیب چھیل رہی تھی اور کچھ گنگناتی جاتی تھیں۔ ''ایندھن کا بکس، بابا!'' اُنھوں نے کہا اور پھر گنگنانے لگیں۔ میں لکڑی کی پھنٹیاں لالاکر بکس میں بھرتا رہا اور پورا بھر دیا۔ پھر اس ڈر سے کہ کہیں اور کوئی ٹہل نہ کرائیں، چپکے سے کھسک گیا۔

میں دریا کے کنارے پر پہنچ کے بٹیاں چُنتا اور پانی میں پھینکتا رہا جو بارش کے سبب ابھی تک گدلا تھا۔ تھوڑی دیر اِسی شغل میں رہا مگر وہ کلہاڑے کی لگاتار چوٹیں ایک عجیب ہی تماشا تھا اور اس کا خیال مجھے بار بار کھنٹے کی طرف کھینچتا تھا۔ میری سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ وہ دونوں اِس کام میں گھنٹوں پیہم کس طرح جٹے رہ سکتے ہیں۔ بالکل فضول حرکت معلوم ہوتی تھی کہ اس طرح ہاتھ دھوکر اُس ٹھنٹھ کے پیچھے پڑ جائیں جس کا صاف کرنا کچھ ایسا لازمی نہ تھا۔ میں کھنٹے کے سامنے کھڑا سوچ رہا تھا کہ آواز میں کچھ فرق محسوس ہوا۔ اب صرف ایک کلہاڑا اچل رہا تھا۔

میں جلدی سے پیچھے کی طرف گیا۔ شین اُسی طرح تان تان کر چوٹیں لگا رہا تھا۔ ابّا بیلچے سے جڑوں کے نیچے کی زمین کھود کر مٹی نکال رہے تھے۔ اِتنے میں اُنھوں نے بیلچہ ایک طرف رکھا اور ٹھنٹھ کو کندھا لگا کر دھکیلنا شروع کیا۔ اُن کے چہرے سے پسینے کی لڑیاں پھوٹ نکلیں۔ ایک سسکاری سی آواز ہوئی اور ٹھنٹھ اس طرح جگہ چھوڑ گیا جیسے بہت ہلکا ہو۔

قصہ ختم تھا۔ مجھے اِتنا جوش آیا کہ خون کنپٹیوں پر سے دوڑتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ میں لپک کر اُس ٹھنٹھ کو پکڑ کے دھکیلنا اور ہلا کے دیکھنا چاہتا تھا۔ بس اس لیے نہ گیا کہ کبھی ابّا کہیں گے میں راستے میں اَڑ رہا ہوں۔

شین اپنی جڑ ختم کر کے ابّا کو سہارا دینے آ گیا۔ دونوں نے مل کر ٹھنٹھ کو دھکیلا۔ وہ کوئی انچ بھر اوپر اُٹھ آیا۔ جہاں سے وہ کھسکا تھا وہاں مٹی میں صاف گڑھا دکھائی دے رہا تھا۔ مگر جیسے ہی اُنھوں نے چھوڑا وہ پھر اپنی جگہ آن رہا۔

وہ بار بار اُسے دھکیلتے رہے۔ ہر دفعہ وہ تھوڑا سا اُٹھ جاتا اور پھر آ گرتا۔ ایک دفعہ تو کوئی

ڈیڑھ فٹ اُٹھ گیا ہوگا۔ بس اس سے زیادہ نہ اُٹھ سکا۔ وہ اُسے اُکھاڑ کے نہ پھینک سکے۔

ٹھہرے تو دونوں ہانپ رہے تھے اور دونوں کے چہرے پسینے سے تر بتر تھے۔ ابا نے ٹھنٹھ کے نیچے جہاں تک دیکھ سکتے تھے نظر دوڑائی۔ ''کوئی جڑ اٹکی رہ گئی ہے۔'' وہ بولے۔ بس یہی ایک بات تھی جو دوپہر کے بعد سے ایک نے دوسرے سے کی۔ ابا نے کچھ اور نہ کہا اور شین تو بالکل ہی نہ بولا۔ اُس نے کلہاڑا اُٹھالیا اور ابا کے اشارے کا منتظر کھڑا رہا۔

ابا سر ہلانے لگے۔ دونوں کے دل میں کوئی ایک ہی بات تھی جو زبان سے نہ کہی گئی۔ ابا فکرمند سے تھے۔ انھوں نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ پھر انگلیاں موڑنی شروع کیں یہاں تک کہ کس کر مٹھیاں بھینچ لیں۔ پھر انھوں نے سر نہ ہلایا بلکہ تن کر کھڑے ہوگئے۔ پہلے سے بھی لمبے معلوم ہوتے تھے۔ اور ایک گہرا سانس لیا۔ پھر پلٹ کر دو کٹی ہوئی جڑوں کے درمیان ٹھنٹھ سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئے اور اُسے دھکیلنا شروع کیا۔ پاؤں کے نیچے کوئی مضبوط سہارا ٹٹولا۔ پھر گھٹنے موڑ کر کندھا ٹھنٹھ کے نیچے گھسا دیا اور اپنے لمبے لمبے ہاتھوں کو جڑ کے سرے پر بل دے کر مضبوطی سے پکڑ لیا۔ پھر زور لگانا شروع کیا۔ وہ جنگلی تنا آہستہ آہستہ جگہ چھوڑنے لگا ایک ایک انچ کر کے، پھر اوپر اُٹھ آیا۔

شین نے جھک کر نیچے نظر ڈالی۔ اُس نے اپنا کلہاڑا لے کر ٹھنٹھ کے نیچے مارا جو لکڑی پر لگتا ہوا محسوس ہوا۔ مگر وہ صرف اِسی صورت سے چوٹ لگا سکتا تھا کہ اپنے سیدھے گھٹنے پر ٹک کر دوسری ٹانگ اور کولھا درز کے اندر پھیلا دے۔ پھر کلہاڑے کے سلامی ہاتھ پورے زور کے ساتھ مارے جا سکتے تھے۔

اُس نے ایک نظر اپنے قریب ابا پر ڈالی اور پھر آنکھیں بند کر کے بازو اکڑا کر اس طرح لیٹ گیا کہ اُس کڑیل تنے کا سارا بوجھ اُس کے جسم پر اُدھر لٹکا ہوا تھا، اور اُس نے مار مار نیچے ہی نیچے تیز تیز وار لگانے شروع کیے۔

اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے ابا پھسل گئے ہیں۔ غنیمت یہ ہے کہ سچ مچ نہیں پھسلے۔ وہ کچھ اور سیدھے ہوگئے تھے۔ ٹھنٹھ کئی انچ اور اوپر اُٹھ گیا تھا۔ شین جھپٹ کر باہر نکلا اور کلہاڑا

پھینک دیا۔ اُس نے ایک کٹی ہوئی جڑ کا سرا تھام لیا اور ابا کو سہارا دے کر ٹھنٹھ کو زمین پر ٹکا دیا۔
وہ اتنے ہانپ رہے تھے جیسے میلوں دوڑتے ہوئے آ رہے ہوں۔ مگر دم لیے بغیر پھر اُنھوں نے ٹھنٹھ کو دھکیلنا شروع کر دیا۔ اب کے یہ زیادہ آسانی سے اُٹھ گیا اور جڑیں چاروں طرف مٹی میں سے اُکھڑنے لگیں۔
میں بھاگم بھاگ گھر میں پہنچا اور چھلانگ مار کے سیدھا باورچی خانے میں جا گھسا۔
"جلدی۔" میں نے دھاڑ کے کہا۔ "دیکھو تو چل کر۔" اماں اوّل اوّل آنا نہیں چاہتی تھیں۔ میں نے اُنھیں کھینچا۔ "تم کو چلنا پڑے گا۔ وہ ٹھنٹھ کو نکال رہے ہیں۔" اُنھیں بھی شوق پیدا ہوا اور وہ بھی میرے ساتھ دوڑتی ہوئی آئیں۔

○

اُنھوں نے تنے کو کافی اونچا اُٹھا لیا تھا۔ دونوں نیچے گھسے ہوئے ہاتھ زمین پر ٹکائے اُسے کندھوں سے دھکیل رہے تھے۔ دیکھنے میں وہ تنا گویا اپنی قدیم جڑیں چھوڑنے ہی کو تھا مگر پھر اٹک کے رہ گیا۔ بس چند ہی انچ اور اُٹھانے کی کسر تھی۔
اماں اُن کو اُس کے ساتھ زور آزمائی کرتے دیکھ رہی تھیں۔ "دیکھو جو!" اُنھوں نے ابا سے پکار کر کہا۔ "تم تھوڑی سی عقل کیوں کام میں نہیں لاتے۔ گھوڑے جُتوا لاؤ۔ وہ اِسے دم بھر میں نکال پھینکیں گے۔"
"گھوڑے!" ابا نے زور سے پکارا۔ سہ پہر بھر کی طویل گھٹی ہوئی خاموشی اُن کی اس عجیب سی آواز سے گویا پھٹ پڑی۔ "گھوڑے؟ وہ دوڑنے کودنے والے زور آور۔ حیوان۔ بس رہنے دو۔ ہم نے یہ کام اپنے ہی بل پر شروع کیا تھا اور اپنے ہی بل پر اِسے ختم کریں گے۔"
اُنھوں نے گردن موڑ کر ٹھنٹھ پر ایک نظر ڈالی اور اپنے جھکے ہوئے کندھوں پر اُسے کچھ اور نیچے لائے۔ شین اُن کے سامنے کی طرف تھا۔ اُس نے بھی اپنا جسم اکڑایا اور دونوں نے مل کر تنے کو ایک اور جھٹکا دیا۔ اُس میں ایک لرزش سی ہوئی اور تھوڑا سا جھول گیا، مگر اُسی طرح

خطرناک زاویے پر اونچا کھڑا رہا۔

ابّا جزبز ہوئے اور تیور بنائے۔ اُن کی ٹانگوں، چوڑے شانوں اور گول بازوؤں میں قوت کا اجتماع صاف نظر آ رہا تھا۔ اُلٹتے ہوئے ٹھنٹھ کا وہ حصہ جو اُن کی طرف تھا، اوپر کو اُٹھا اور شین کی طرف کا حصہ نیچے کو جھکا، اور پورا تنا اس طرح جنبش میں آیا جیسے ایک اور بے ڈھنگم زاویے پر گڑھے کے اندر اُن کو کچلتا ہوا آن دھنسے گا۔

میں چلّا کر اُنھیں خبردار کرنا چاہتا تھا مگر منہ سے آواز نہ نکلی کیونکہ شین نے اُسی لمحے اپنے سر کو جھٹکا دے کر ماتھے پر گرتے ہوئے بال ہٹائے اور میں نے اُس کی آنکھوں کی ایک جھلک دیکھی۔ اُن میں ٹھنڈی آگ کے شعلے دہک رہے تھے۔ سر کی اس ایک جنبش کے علاوہ کوئی اور جنبش اُس کے جسم کے کسی حصے میں علیحدہ محسوس نہ ہوئی۔ اُس کا سارا جسم ایک بے اندازہ قوت کے اثر سے سرتاپا حرکت میں آیا۔ ایک آگ کی طرح اُس کے جسم میں طاقت لپک اُٹھی اور ایک ہی زور میں اُبل پڑی۔ اُس کی طرف کا کنارا بھی دفعتہً ابّا کی طرف کے حصے کے ساتھ اوپر اُٹھا، اور ہارا جھک مارا ہوا سا، لڑھک کے دور جا پڑا۔

ابّا آہستہ آہستہ گڑھے سے باہر نکلے۔ چند قدم چل کر ٹھنٹھ کے پاس آئے اور اُس پر ہاتھ رکھ کر اُسے اس طرح تھپکنے لگے جیسے کوئی پرانا دوست ہو اور جیسے اُن کو اُس کی شکست کا کچھ نہ کچھ ملال بھی ہو۔ شین نے بھی اُن کے ساتھ دوسری طرف سے آ کر اس سخت جان پرانی لکڑی کو ٹھوکا دیا۔ پھر دونوں نے نظریں اُٹھائیں اور اُن کی آنکھیں دن بھر کے بعد پھر چار ہوئیں۔

اُس وقت خاموشی ہی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ مگر خاموشی مکمل نہ تھی۔ ایک آواز، محض ایک چیخ سی، سنائی دی۔ میں نے فوراً محسوس کیا کہ وہ چیخ میرے منہ سے نکلی تھی، اور ایک دم اپنا منہ بھینچ لیا۔ اُس وقت کی خاموشی بڑی ستھری، سہانی سی تھی اور وہ ایک ایسی یاد ہے کہ زمانہ ذہن پر کتنے ہی نقش بنائے اور مٹائے، اُس کو نہیں مٹا سکتا۔ ایک قدیم درخت کا ٹھنٹھ لڑھکا پڑا تھا، اُس کی جڑیں دور پہاڑوں پر ڈوبتے ہوئے سورج کی روشنی کے مقابل عجیب سا جال بنائے

ہوئے تھیں اور دو آدمی اُس کے آس پاس کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہے تھے۔

میں نے دل میں کہا ان دونوں کو ہاتھ ملانے چاہییں جو ٹھنڈ کے اوپر اتنے قریب رکھے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا انھیں کم از کم کچھ تو منہ سے بولنا چاہیے، مگر وہ چپکے بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ آخر ابا پلٹ کر اماں کے قریب آئے۔ وہ اتنے تھکے ہوئے تھے کہ اُن کی تھکن اُن کی چال میں محسوس ہوتی تھی۔ مگر اُن کی آواز ویسی ہی کراری تھی۔ ''میرین،'' وہ بولے۔ ''اب میں تازہ دم ہوگیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ جب سے دنیا بنی ہے، کوئی شخص کبھی اتنا تازہ دم بھی رہا ہوگا۔''

شین بھی ہماری طرف آ رہا تھا۔ وہ بھی صرف اماں سے بولا۔ ''بی بی، آج مجھے ایک نئی بات معلوم ہوئی۔ کاشتکاری میں تو اُس سے کہیں زیادہ بات پائی جاتی ہے جتنی میں سمجھتا تھا۔ اب میں اُس سیب کی پائی کو چکھنے کے لیے خاصا تیار ہوں۔''

اماں حیرت بھری نظروں سے دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔ اُس کی بات پر تو وہ پھوٹ ہی پڑیں۔ ''ارے تم مردوں کی ذات! تم نے تو میرے ہوش ہی گم کر دیے۔ اب تک تو وہ جل کے کوئلہ ہو چکی ہوگی۔'' اور وہ گھر کی طرف اتنی تیز بھاگیں کہ سایہ پاؤں میں الجھ الجھ گیا۔

○

پائی واقعی جل کے تمام ہو چکی تھی۔ ہم گھر کے سامنے پہنچے تو اُس کے جلنے کی بو صاف ناک میں آ رہی تھی۔ دونوں آدمی پمپ کے پاس ہاتھ منہ صاف کرنے لگے۔ اماں نے باورچی خانے کی ہوا نکالنے کی غرض سے دروازے کھول دیے تھے۔ اندر کی آوازوں سے ایسا پتا چلتا تھا کہ وہ چیزوں کو اِدھر سے اُدھر پٹک رہی ہیں۔ کیتلی کا کھٹا کا اور برتنوں کا جھنا کا ہو رہا تھا۔ ہم اندر پہنچے تو سمجھ میں آیا کہ اُنھوں نے میز لگا دی تھی اور کھانا چن رہی تھیں۔ وہ برتن ایک ایک کر کے اُٹھاتی اور ایک دھماکے کے ساتھ میز پر رکھتی تھیں۔ اُنھوں نے ہم میں سے کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

ہم بیٹھ گئے اور اُن کے شریک ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ وہ ہماری طرف سے پیٹھ موڑ کر کھڑی ہو گئیں اور چولھے کے پاس کے نچلے خانے میں رکھے ہوئے پائی کے سانچے اور اُس کی جلی ہوئی کائنات کو دیکھتی رہیں۔ آخر ابا نے ذرا بگڑ کر کہا۔ "بات سنو میرین۔ تمھیں بیٹھنا بھی ہے یا نہیں؟"

اُنھوں نے گھوم کر ابا کو دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ رو رہی ہوں گی مگر اُن کے چہرے پر آنسوؤں کا کوئی نشان نہ تھا۔ وہ بالکل خشک اور روکھا سا لگتا تھا اور اُس میں رنگت نام کو نہ تھی۔ اُنھوں نے بھی ویسی ہی تیزی سے جواب دیا۔ "میں گہری قاب میں پائی بنانے کا خیال کر رہی تھی۔ ہاں۔ اور بناؤں گی بھی۔ تمھاری کوئی مردوں والی حماقت کی بات مجھے نہیں روک سکتی۔"

اُنھوں نے بڑا ٹین لپک کر اُٹھایا اور سیدھی باہر نکل گئیں۔ ہم اُن کے زینے سے اُترنے کی آواز سنتے رہے اور چند لمحوں بعد کوڑے کی بالٹی پر ڈھکنے کے کھڑکنے کی آواز آئی۔ پھر زینے پر چڑھنے کی۔ وہ اندر آئیں اور کونے میں رکھے ہوئے بنچ کے پاس گئیں جہاں قابیں رکھی تھیں۔ وہ اس طرح کام میں لگی ہوئی تھیں جیسے ہم تو کمرے میں ہیں ہی نہیں۔

ابا کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ اُنھوں نے کھانا شروع کرنے کے لیے کانٹا اُٹھایا اور ایک ہلکے سے کھناکے کے ساتھ پھر رکھ دیا۔ وہ کرسی پر بیٹھے کسمساتے رہے اور بار بار انکھیوں سے اماں کو دیکھتے رہے۔ وہ ٹین کو رگڑ کر صاف کر چکیں تو سیبوں سے بھرے ہوئے پیپے کے پاس جا کر لکڑی کے پیالے میں لبالب سیب نکال کر بھرے اور چولھے کے پاس بیٹھ کر اُنھیں چھیلنا شروع کیا۔ ابا نے ایک جیب سے ٹٹول کر جیبی چاقو نکالا اور اُن کے پاس دبے پاؤں جا کر ایک سیب چھیلنے کے لیے اُٹھایا۔

اماں نے آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا مگر اس طرح تڑق کر بولیں کہ ابا چونک پڑے جیسے چابک لگا ہو۔ "جو شیریٹ! تم ان میں سے ایک سیب کو بھی ہرگز ہاتھ نہ لگانا۔"

وہ کرسی پر واپس آئے تو چپ چاپ منہ لٹکائے ہوئے تھے۔ مگر پھر تو غصے میں دیوانے معلوم ہونے لگے۔ جھپٹ کر چھری کانٹا اُٹھایا اور آگے رکھی ہوئی پلیٹ میں جیسے جھونک دیا اور

جلدی جلدی لقمے لے کر خوب زور زور سے چباتے رہے۔ ہمارے مہمان کے اور میرے لیے بھی سیدھی سی صورت یہی نظر آتی تھی کہ اُن کا ساتھ دیے لگیں۔ شاید کھانا مزے ہی کا تھا۔ مجھے کچھ احساس نہ ہوا۔ بس کچھ تھا جسے حلق سے اُتارنا تھا۔ جب ہم نے کھانا ختم کرلیا تو اس کے علاوہ کچھ کرنے کو نظر نہ آتا تھا کہ خاموش بیٹھے انتظار کرتے رہیں کیونکہ اماں تو چولھے کے پاس بیٹھی دونوں ہاتھ بغل میں دبائے دیوار کو تک رہی تھیں اور پائی کے تیار ہونے کی راہ دیکھ رہی تھیں۔

ہم تینوں گم سُم بیٹھے اُن کو دیکھا کیے۔ سناٹا چبھنے لگا تھا مگر ہم بے بس تھے۔ ہم اُن پر سے نظریں ہٹا کر اِدھر اُدھر دیکھنے کی کوشش کرتے مگر آنکھیں پھر اُنھی کی طرف لوٹ آتیں۔ وہ ہم کو بالکل نہیں دیکھ رہی تھیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے بھول ہی گئی ہیں کہ ہم تین بھی وہاں موجود ہیں۔

مگر وہ بھولی نہیں تھیں۔ جیسے ہی اُنھیں اندازہ ہوا کہ پائی تیار ہوگئی ہے، اُسے اُٹھا کر برتن میں نکالا اور چار بڑے بڑے ٹکڑے تراش کر پلیٹ میں رکھ دیے۔ پہلے دو ٹکڑے اُنھوں نے دونوں آدمیوں کے سامنے رکھے، تیسرا میرے سامنے اور آخری ٹکڑا اپنے لیے لگا کر وہ بھی اپنی کرسی پر آبیٹھیں۔ اُن کی آواز میں ابھی تک تیزی تھی۔

''کیا کروں۔ افسوس ہے میں نے تم مردوں کو انتظار میں بٹھائے رکھا۔ خیر اب تمھاری پائی تیار ہے۔''

ابّا نے اُس ٹکڑے کو ایسے دیکھا جیسے ہاتھ لگاتے ڈر لگتا ہو۔ پھر اُنھوں نے کانٹا اُٹھا کر ایک ٹکڑا اس طرح لیا جیسے بڑا ہی کٹھن کام کیا۔ وہ اُسے چبا چبا کر حلق سے اُتارتے رہے اور اماں کی طرف کنکھیوں سے دیکھ کر فوراً نظریں ہٹا لیتے اور سامنے شمین کو دیکھنے لگتے۔ ''بڑی نفیس پائی ہے۔'' آخر اُنھوں نے کہا۔ شمین نے ایک ٹکڑا کانٹے میں اٹکا کر اُٹھایا اور اُسے غور سے دیکھا۔ پھر منہ میں ڈال کر بڑی سنجیدگی سے چباتا رہا۔ ''ہاں'' وہ بھی بولا۔ اُس کے چہرے پر بالکل صاف ایک اچنبھے کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔ ''ہاں، یہ بہترین سوکھی لکڑی ہے جو میں نے

آج تک کھائی ہوگی۔"

اس مہمل سی بات کا کیا مطلب ہوا؟ مجھے اس پر غور کرنے کا موقع تھا نہ تعجب کرنے کا، کیونکہ اماں اور ابا کا رویہ بڑا عجیب تھا۔ وہ دونوں مشین پر نظریں جمائے ہوئے تھے اور اُن کے منہ آہستہ آہستہ لٹک کر کھلتے جا رہے تھے۔ پھر ابا نے منہ بند کر کے ہنسنا شروع کیا، یہاں تک کہ کرسی پر بیٹھے جھوم سے گئے۔

"قسم ہے میرین! یہ سچ کہتے ہیں۔ اور قصور تمھارا ہی ہے۔" اماں نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔ اُن کے چہرے کی رنگت لوٹ آئی۔ آنکھوں میں چمک آ گئی جیسی کہ ہوتی تھی۔ اور وہ اتنا ہنسیں کہ آنسو نکل آئے۔ ہم سب پائی کا مزا لینے لگے۔ بس دنیا بھر میں کوئی کمی تھی تو اتنی کہ وہ پائی اور زیادہ کیوں نہ تھی۔

باب-۴

دوسرے دن میں سو کر اُٹھا تو سورج کافی اوپر آ گیا تھا۔ مجھے سونے کے لیے بہت دیر کروٹیں بدلنی پڑیں کیونکہ میرا دماغ دن بھر کی ولولہ خیز باتوں اور ادلتی بدلتی کیفیتوں میں گھرا ہوا تھا۔ میری عقل میں کسی طرح آتا ہی نہ تھا کہ یہ بڑے آدمی کس طرح کی باتیں کرتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی معمولی باتیں اُن کے لیے اتنی اہمیت کیونکر اختیار کر لیتی ہیں۔

میں بستر میں پڑا پڑا آئے مہمان کا خیال کرتا رہا جو غلّے کی کوٹھی میں تخت پر لیٹا ہوگا۔ یقین نہ آتا تھا کہ یہ وہی شخص ہے جسے میں نے پہلے روز دیکھا تھا۔ خرانٹ، پُراسرار اجنبی، جسے دیکھ کر ہول آتا تھا۔ ابا کے دل کی کوئی بات جس کا تعلق الفاظ یا حرکات وسکنات سے نہیں بلکہ صرف دلی جذبے سے تھا، اُس کے دل تک پہنچ گئی تھی۔ اُس نے اُس کا جواب بھی دیا اور اپنی شخصیت کا ایک رخ ہمیں دکھایا۔ ورنہ وہ پاس بیٹھا ہوا بھی اتنا دور دراز دکھائی دیتا کہ اُس تک پہنچنا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ تاہم وہ مجھے اپنے ماموں سے زیادہ قریب معلوم ہوا جو اس سے پچھلی گرمیوں میں ہمارے ہاں آئے تھے۔

میں نے یہ بھی سوچا کہ ابا اور اماں پر اُس کے آنے کا کیا اثر ہوا۔ وہ دونوں زیادہ چونچال، زیادہ مستعد نظر آ رہے تھے، گویا اُس کے سامنے اپنے کو بہتر سے بہتر ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ میں اسے خوب محسوس کر سکتا تھا کیونکہ خود میری کیفیت بھی یہی تھی۔ مگر مجھے الجھن یہ تھی کہ وہ غیر معمولی کشش اور اثر رکھنے والا آدمی جس نے ابا کی دعوت کا بے تامل جواب دیا، قلعہ بند سرحد کو عبور کر کے تنہا کیوں، کہاں سے، اور کب سے چلا آ رہا تھا؟

میں چونک کے اُٹھ بیٹھا کہ اتنا دن چڑھ چکا۔ میرے چھوٹے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اماں نے بند کر دیا ہوگا تاکہ میں سکون سے سوتا رہوں۔ میں اس خیال سے جزبز ہو رہا تھا کہ

کہیں سب ناشتہ نہ کر چکے ہوں اور مہمان مجھ سے ملے بغیر ہی نہ جا چکا ہو۔ میں نے مارامار کپڑے بدلے۔ بٹن بھی کچھ لگائے کچھ نہ لگائے اور دروازے کی طرف لپکا۔

وہ سب ابھی میز ہی پر بیٹھے تھے۔ ابا پائپ کو کش لے لے کرا کسارہے تھے۔ اماں اور شین کاف کا آخری دور چڑھا رہے تھے۔ تینوں کے تینوں خاموش تھے۔ میں اپنے کمرے سے گھبرایا ہوا نکلا تو سب میری طرف دیکھنے لگے۔

''یا خدا!'' اماں نے کہا۔ ''تم تو ایسے آئے جیسے کوئی تمھارا پیچھا کر رہا تھا۔ ہوا کیا، خیر تو ہے؟''

''اوہ! میں یہ سمجھا:'' میں مہمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بے دھڑک بولا۔ ''جیسے یہ شاید چلے گئے اور مجھے بھول گئے۔''

شین نے میری طرف دیکھ کر آہستگی سے سر ہلایا۔ ''باب، میں تم کو بھولتا نہیں۔'' وہ اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا ذرا سنبھلا اور اماں سے ہنسی کے انداز میں بولا۔ ''اور میں آپ کے پکائے ہوئے کھانے بھی نہیں بھول سکتا۔ اگر آئندہ بہت سے لوگ کھانے کے وقت تمھارے ہاں ٹپکیں گے تو اس کا سبب یہ ہوگا کہ ایک احسان مند شخص راستے بھر تمھارے کیکوں کے ذائقے کا دم بھرتا ہوا گزرا ہے۔''

''بھئی مجھے تو اس پر ایک بات سوجھی۔'' ابا نے ایسے کہا جیسے بات کرنے کا بھلا موقع ہاتھ آیا۔ ''ہم اس مکان میں ایک بورڈنگ ہاؤس کیوں نہ بنا دیں؟ میرین لوگوں کے شکم اپنے عمدہ کھانوں سے بھرتی رہیں گی اور میں اپنی جیبیں اُن کے روپے سے۔ مجھے تو یہ بڑا ہی سہل نسخہ نظر آتا ہے۔''

اماں نے اُن کی طرف دیکھ کر ناک سکیڑی۔ مگر وہ دونوں کی باتوں سے خوش تھیں اور مسکرا رہی تھیں اور میرے ناشتے کی پیالی میں چمچا چلا رہی تھیں۔ انھوں نے تڑاق سے جواب دیا اور ابا کو خبردار کر کے کہنے لگیں کہ پھر تمام وقت اُن کے پاس بیٹھ کر آلو چھیلنے اور رکابیاں دھونی ہوں گی۔ وہ لوگ مزے سے باتیں ملاتے رہے گو مجھے گفتگو کی روانی کے باوجود یہ محسوس ہو رہا تھا

کہ بات ذرا سنبھل سنبھل کر ہو رہی ہے۔ یہ بھی محسوس ہوا کہ دیکھو شین یہاں بیٹھا اجنبی نہیں، اپنے ہی گھر کا آدمی معلوم ہو رہا ہے۔ کوئی بھی تکلف یا غیریت نہیں جیسی کہ مہمانوں کے آنے پر اکثر محسوس ہوتی ہے۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ اُس کی موجودگی میں ذرا لیے دیے رہیں اور قرینے سے بات کی جائے۔ مگر اِس احساس سے کوئی وحشت نہ تھی۔ فضا پھر بھی خاصی بے تکلفانہ تھی۔

آخر وہ اُٹھ کر کھڑا ہوا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ ہم سے رخصت ہونے والا ہے۔ میرا دل بے اختیار چاہا کہ کاش اُسے ٹھہرا سکوں۔ ابا نے میرے ہی دل کی سی بات کہی۔

"تم تو واقعی بڑے جلد باز ہو۔ بیٹھ جاؤ شین، مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔" ابا نے ایک دم بڑی سنجیدگی اختیار کر لی۔ شین بھی کشیدہ اور چوکنا ہو گیا۔ مگر دوبارہ کرسی پر ٹک گیا۔

ابا نے سیدھا اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تم کسی چیز سے بچ کر بھاگ رہے ہو؟"

شین بڑی دیر تک آگے رکھی ہوئی پیالی کو تکتا رہا۔ اُس کے چہرے پر ایک افسردگی چھائی ہوئی نظر آنے لگی۔ پھر اُس نے آنکھ اُٹھا کر ابا کو دیکھا۔

"نہیں۔ میں کسی چیز سے بچ کر بھاگ نہیں رہا۔ جو تمھارا مطلب ہے وہ بات نہیں۔"

"خوب۔" ابا آگے کو جھکے اور زور دینے کے انداز میں کلمے کی انگلی سے میز پر کھٹا کا کر کے بولے۔ "دیکھو شین۔ میں گلّہ بان نہیں ہوں۔ تم نے میرا ٹھکانا دیکھ لیا۔ اِس بات کو سمجھ گئے ہو گے۔ میں کاشتکار ہوں۔ ہاں تھوڑے بہت مویشی بھی ضرور پالتا ہوں مگر ہوں دراصل کاشتکار۔ میں نے یہی سمجھ کر اِس بات کا فیصلہ کیا تھا کہ دوسرے کے نفع کی خاطر مویشی چرانا چھوڑ دوں۔ میں کاشتکاری ہی کرنا چاہتا ہوں اور اسی میں اپنی عزت سمجھتا ہوں۔ میں نے اپنے کام کا اچھا خاصا ڈول ڈال دیا ہے۔ یہ ابھی اتنا بڑا نہیں جتنا کہ خدا چاہے تو ایک دن ہو کر رہے گا۔ مگر پھر بھی اتنا کام ہے کہ ایک آدمی پوری طرح نہیں سنبھال سکتا۔ وہ جوان جسے میں نے رکھا تھا، وہ فلیچر کے دو آدمیوں سے جھڑپ ہو جانے کے بعد چھوڑ بھاگا۔" ابا جلدی جلدی بول رہے تھے، دم لینے کے لیے ٹھہر گئے۔

شین اُن کی طرف غور سے دیکھتا رہا۔ اُس نے کھڑکی کے باہر وادی پر ایک نظر ڈالی جہاں پہاڑوں کا سلسلہ اُفق کے ساتھ ساتھ چلا گیا تھا۔

''ہاں ایسا ہوتا ہے۔ پرانی عادتیں مشکل سے چھوٹتی ہیں۔'' پھر اُس نے اماں پر اور مجھ پر ایک اُچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔ اور اُس کی آنکھیں گھومتی ہوئی ابا تک گئیں تو وہ کوئی فیصلہ کر چکا تھا۔

''اچھا! تو فلیچر تمھیں یہاں سے اُکھاڑنے کے لیے دست درازیاں کر رہا ہے؟''

''میں آسانی سے تو اُکھڑنے والا نہیں۔'' ابا نے نتھنے پھلا کر کہا۔ ''مگر خیر۔ میرے پاس یہاں بہت سا کام ہے اور ایک آدمی کی بساط سے زیادہ ہے۔ خود میری بساط سے بھی۔ جو اِکا دُکا جانور اِدھر بھٹک آتے ہیں اُن میں تو کوئی ڈھنگانے کے قابل بھی نہیں۔''

''اچھا پھر؟'' شین نے کہا۔ اُس کی آنکھوں کے گرد پھر جھریاں اُبھر آئیں۔ وہ پھر ہمارے گھر کا آدمی معلوم ہو رہا تھا اور ابا کی طرف متوجہ تھا۔

''کیا تم کچھ دن یہاں ٹھہر سکتے ہو، اور جاڑوں سے پہلے سب کام ٹھیک ٹھاک کرنے میں میرا ہاتھ بٹا سکتے ہو؟''

شین کھڑا ہو گیا۔ وہ میز کے دوسری جانب کھڑا ہوا مجھے پہلے سے زیادہ قدآور معلوم ہو رہا تھا۔ ''میں نے کبھی کاشتکار بننے کا خیال نہیں کیا تھا سٹیریٹ۔ چند روز پہلے تو میں اِس تجویز پر ہنس دیتا۔ خیر چلو، آج تم نے ایک آدمی کو ملازم رکھ لیا۔''

وہ اور ابا ایک دوسرے کو اِس طرح دیکھتے رہے جیسے آنکھوں ہی آنکھوں سے بہت کچھ کہہ رہے ہوں جسے لفظوں میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ آخر شین نے اماں کی طرف گھوم کر کہا۔

''اور بی بی، میں تمھارے پکائے ہوئے کھانے کو اپنی محنت کا کافی معاوضہ سمجھوں گا۔''

ابا نے دونوں ہاتھ اپنے زانو پر مارتے ہوئے کہا۔ ''تم کو اچھے دام ملیں گے، اور تم اِس کے مستحق بھی ہو گے۔ اچھا۔ تو سب سے پہلے تم بستی سے اپنے لیے کام کے وقت پہننے کے لیے کپڑے کیوں نہ لے آؤ؟ سام گرافٹن کے سٹور میں دیکھنا۔ اُس سے کہنا کہ میرے حساب میں

لکھ لے۔"

شمین اتنی دیر میں دروازے تک پہنچ بھی چکا تھا۔"میں خود خرید لوں گا۔" یہ کہہ کر وہ چل دیا۔

ابا اتنے خوش تھے کہ اُن سے نچلا بیٹھنا محال تھا۔ وہ کرسی پر سے اُچھل پڑے اور اماں کو پکڑ کر چک پھیریاں دینے لگے۔"میرین، آخر پھر دن اُجالے ہو گئے۔ ہمیں ایک آدمی مل گیا۔"

"مگر جو، تم نے خوب سوچ بھی لیا کہ کیا کر رہے ہو؟ ایسا آدمی کس قسم کا کام کر سکتا ہے؟ ہاں یہ تو میں نے دیکھا ہی تھا کہ اُس نے تمھارے ساتھ مل کر اُس ٹھنٹھ کو اکھاڑ پھینکا۔ مگر وہ تو ایک خاص بات ہوئی۔ اُس نے اچھی زندگی گزاری ہے اور کھاتا پیتا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ تم دیکھ کر کہہ سکتے ہو، اُس نے خود بھی کہا، کہ کاشتکاری اُسے بالکل نہیں آتی۔"

"جب یہاں کام شروع کیا تو مجھی کو کب آتی تھی۔ بات یہ نہیں کہ آدمی کو کیا آتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہے کس ڈھب کا آدمی۔ میں شرطیہ کہتا ہوں کہ یہ آدمی پہلے مویشی پال چکا ہے، اور اُس میں بھی اچھا ہی رہا ہوگا۔ یہ جو کام سنبھالے گا، اچھا کر کے دکھائے گا۔ تم دیکھو تو سہی، ہفتے ہی بھر میں مجھے بھی پرے بٹھائے گا اور وہ ہی وہ ہوگا۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"سکتا ہے کا ذکر نہیں۔ تم نے دیکھا جب میں نے فلیچر کے بچھڑوں اور نوجوان سور لے کا ذکر کیا تو اُس نے کس طرح سنا؟ اُسے معلوم ہے کہ میں جوکھوں میں ہوں اور وہ میرا ساتھ چھوڑنے والا نہیں۔ اُسے کوئی ہٹا یا بھگا نہیں سکتا۔ وہ میرے کینڈے کا آدمی ہے۔"

"نہیں جو سٹیریٹ، وہ تمھاری طرح کا بالکل نہیں۔ وہ ڈیل ڈول میں کم اور دیکھنے میں بالکل الگ ہے، اور اُس کا پہناوا بھی اور بات چیت بھی الگ ہے۔"

"ہونھ۔" ابا کچھ سنبھلے۔"میں اِن چیزوں کا قطعی ذکر نہیں کر رہا تھا۔"

○

اتنے میں شین ڈنگری وضع کی دو پتلونیں، فلالین کی قمیص، موٹے کام چلاؤ جوتے اور سٹیٹ سن کی ٹوپی لیے واپس آ گیا۔ غلّے کی کوٹھی میں گیا اور آن کی آن میں کپڑے پہن، نکل آیا۔ گھوڑے کو کھول کر باہر لیتا آیا۔ چراگاہ کے دروازے پر اُس نے گھوڑے کے گلے سے رسی گھسیٹ لی۔ اُسے تھپک کر اندر ہنکایا اور رسی میری طرف اچھال دی۔

"باب! گھوڑے کا خیال رکھو تو یہ تمھارا خیال رکھتا ہے۔ اس جانور نے مجھے پچھلے چند ہفتوں میں ہزاروں میل سے زیادہ سواری دی ہے۔" پھر وہ لمبے لمبے قدم ڈالتا ہوا ابا کی طرف چل دیا جو مکئی کے کھیت کے پرے گڑھا کھودنے میں لگے ہوئے تھے کیونکہ اُس طرف زمین تھی تو اچھی مگر پانی اتنا کھڑا تھا کہ جب تک اُسے خشک نہ کر لیا جائے، کام کی نہ تھی۔ میں اُسے مکئی کی نئی نئی قطاروں میں سے ہو کر جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اب وہ کوئی مشتبہ اجنبی نہیں بلکہ گھر ہی کا آدمی تھا، اور ابا کی طرح کاشتکار۔

البتہ وہ اصل میں کاشتکار نہ تھا اور نہ کبھی ہو سکتا تھا۔ یہ تو خیر دو تین ہی دن میں دیکھ لیا گیا کہ وہ جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہے، ابا سے پیچھے نہیں رہتا۔ جو کچھ بھی بتایا جاتا، کر کے رکھ دیتا۔ اور اکثر دفعہ اُس کے کرنے کا بہتر طریقہ نکالتا۔ اُسے ادنیٰ سے ادنیٰ کام سے بھی عار نہ تھا۔ ہر کام کی آخری نظر کو آسان کرنے پہ مستعد۔ پھر بھی نہ جانے کیوں یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ کچھ الگ ہی آدمی ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ رک گیا اور سامنے کے پہاڑوں کو دیکھنے لگا۔ پھر اپنی طرف اور اُس اوزار کی طرف نظر کرتا جو اُس کے ہاتھ میں یا آس پاس پڑا ہوتا اور مسکراتا جیسے سوچ رہا ہو کہ واہ خوب سنبھالا ہے۔ کوئی دیکھ کر یہ نہ کہہ سکتا کہ یہ اس کام کو اپنے لائق نہیں سمجھتا یا دل سے نہیں کرتا۔ بس وہ اُس کے کرنے کا کام نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اگلے حالات نے اُسے بڑے پختہ طور پر کچھ اور ہی کرنے کے لیے ڈھالا تھا۔

دبلا پتلا ہونے کے باوجود وہ کافی کڑا آدمی تھا۔ پہلے پہلے تو آدمی اُس کے دبلے پن سے دھوکا کھا جاتا مگر جب آپ اُسے کام کرتے دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ اُس کی ہڈیوں میں کتنی

جان ہے۔ اُس کے جسم پر فالتو گوشت نہ تھا، عین اُسی طرح جیسے اُس کے کام میں فالتو حرکات شامل نہ ہوتیں۔ بلکہ بڑی صفائی اور چابکدستی سے ہر کام ہوتا چلا جاتا۔ ہاتھ پاؤں قدرتی طور پر دماغ کے ساتھ ساتھ حرکت کرتے اور وقت پر تمام جسم کی قوت ایک ساتھ اُبل پڑتی جیسے کہ اُس وقت جب وہ پرانا گھنٹھ جھول کر اُس کے اوپر آنے والا تھا۔ یہ قوت عموماً چھپی دبی سی رہتی کیونکہ اِس کی ضرورت ہی نہ پڑتی اور روزمرہ کے کام ہلکے ہاتھوں سے کیے جاتا، مگر جب ضرورت پڑتی تو وہ اِس شدت کے ساتھ گویا بھڑک اُٹھتی کہ میں خوفزدہ ہوکر رہ جاتا۔

میں خوفزدہ ہوتا تھا تو شین سے نہیں، جیسا کہ میں نے اماں کو بتایا تھا، بلکہ انسانی قوتوں کی اُس پوشیدہ جھلک پر جو مجھے اِن موقعوں پر دکھائی دیتی اور میری سمجھ سے باہر ہوتی۔ ایسے موقعوں پر اُس کا سارا وجود صرف ایک فوری موقع کے لیے وقف ہوکر رہ جاتا۔ اور اُس لمحے کے گزر جانے پر وہ ایسا ہی خاموش اور ایک سبک رفتار سے کام کرنے والا آدمی بن جاتا جس کے ساتھ، ابّا کی طرح، میری لڑکپن کی عقیدتیں وابستہ تھیں۔

یہ وہ زمانہ ہے جب میرے اندر لڑکپن کی ہما ہمی پیدا ہورہی تھی۔ اس بات کا گھمنڈ ہوچلا تھا کہ میں آلی جانسن سے دودو ہاتھ کرکے اُسے پچھاڑ سکتا ہوں جو اِسی سڑک پر اگلے گھر میں رہتا تھا۔ لڑکوں لڑکوں کی لپاڈگی کا شوق دل کو اُبھارنے لگا تھا۔

ایک دفعہ جب ابّا اکیلے تھے تو میں نے اُن سے پوچھا۔ ''ابّا کیا تم شین کو ہرا سکتے ہو؟ مطلب یہ کہ اگر مقابلہ ہو؟''

''بیٹے، یہ تو بڑا مشکل سوال تم نے کیا۔ اگر لڑنا ہی پڑتا تو شاید میں ہرا دیتا۔ مگر، قسم سے، میں خوشی سے کبھی شین کے سامنے نہ پڑوں گا۔ بعض لوگ جو اوپر سے کچھ بھی نظر نہیں آتے، اپنے اندر ڈائنامیٹ لیے پھرتے ہیں۔ وہ بھی اِسی قسم کا ہے۔ مگر میں تم کو بتاؤں کہ مجھے کوئی دوسرا آدمی ایسا نظر نہیں آیا جسے میں ہر مقابلے میں اپنی ہی طرف رکھنا بہتر سمجھتا ہوں۔''

یہ بات میری سمجھ میں آ گئی اور میرا اطمینان ہوگیا۔ مگر شین کی بابت کئی اور باتیں تھیں جنھیں میں سمجھ نہیں سکتا تھا۔ ٹھہرنے کا اقرار کرنے کے بعد جب وہ پہلی بار کھانا کھانے آیا تو

جب تک ہم سب نہ بیٹھے، ابا والی کرسی کے پاس کھڑا رہا۔ اماں کو یہ بات خلافِ توقع بھی معلوم ہوئی اور ناگوار بھی۔ انھوں نے کچھ کہنا چاہا مگر ابا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں روک دیا۔ وہ خود سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے جیسے اُن کی مستقل جگہ یہی تھی۔ اس کے بعد سے ابا اور شمین انھی کرسیوں پر بیٹھنے لگے۔ جگہ بدلنے کا سبب میری سمجھ میں نہ آیا تھا۔ مگر ایک مرتبہ جب ہم کھانا کھا رہے تھے تو ہمسائے میں سے ایک آدمی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور ایک دم اندر گھسا چلا آیا جیسا کہ اُن میں سے اکثر لوگ کرتے تھے۔ تب میں تاڑ گیا کہ دراصل شمین دروازے کے بالکل سامنے بیٹھتا ہے تاکہ آنے والوں سے پہلے اس کا سامنا ہو۔ اُس کا مدعا یہی تھا، مگر کیوں؟ میں نہ سمجھ سکا۔

شام کے وقت جب وہ ہمارے ساتھ بیٹھ کر ستاتا اور باتیں کرتا تو کبھی کھڑکی کے قریب نہ بیٹھتا۔ وہ پیش دلیز کی چھت پر سے ہمیشہ سڑک کو دیکھتا رہتا۔ وہ دیوار کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنا پسند کرتا تھا، مگر سہارے کے لیے نہیں۔ میز کے علاوہ وہ کہیں بیٹھتا تو خاموشی سے کرسی کھینچ کر دیوار کے قریب لے جاتا اور اُسے پیچھے کی طرف ذرا جھکا کر کمر سے لگا کر بیٹھ جاتا۔ اُسے اس کا بھی احساس شاید نہ تھا کہ اس طرح بیٹھنا انوکھی سی بات ہے۔ یہ بھی اُس کے مستقل چوکنے پن کی ایک صورت تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے آس پاس کی چیزوں پر گہری نظر رکھتا۔

اسی طرح وہ گھر کے تمام راستوں پر کڑی نظر رکھتا تھا، مگر بالکل خاموشی کے ساتھ۔ اگر کوئی شخص سڑک پر سے گزرتا تو سب سے پہلے وہ خبردار ہوتا اور چاہے جس کام میں بھی ہوتا، ٹھٹھک کر ہر آتے جاتے سوار کو غور سے دیکھتا۔

شام کو ہمارے ہاں اکثر چوپال لگتی تھی کیونکہ آس پاس کے لوگ ابا کو اپنا بڑا سمجھتے تھے اور اپنے اپنے معاملات میں مشورہ کرنے آتے رہتے تھے۔ یہ لوگ مختلف وضع قطع کے تھے اور اپنی اپنی جگہ خاصے دلچسپ۔ مگر شمین کو لوگوں سے ملنے کا شوق نہ تھا۔ وہ ان کی باتوں میں بہت کم شریک ہوتا۔ ہمارے ساتھ بے شک کھل کر باتیں کرتا تھا۔ ہم گویا اُس کے اپنے آدمی تھے۔ اگرچہ ہم نے اُسے اپنے ساتھ ٹھہرایا تھا مگر احساس کچھ ایسا ہوتا تھا جیسے اُس نے ہمیں اپنا

لیا ہے۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ بالکل غیریت کا برتاؤ کرتا تھا۔ بات نرمی اور تپاک سے کرتا تھا مگر ارتباط کی ان حدود سے تجاوز نہ کرتا جو اُس نے اپنے لیے مقرر کر رکھی تھیں۔

ان باتوں پر مجھے تعجب ہوتا تھا مگر صرف مجھی کو نہیں، بستی کے لوگ اور آنے جانے والے سوار یا گاڑی بان جو برابر وہاں سے گزرتے رہتے، سب اُس کے بارے میں متعجب تھے۔ یہ بڑی حیرت کی بات تھی کہ اس وادی کی کل آبادی اور دور دور کے گلہ بانوں تک کو یہ خبر کتنی تیزی سے پہنچ گئی کہ ایک نیا آدمی ابا کے ہاں کام کرتا ہے۔

ان لوگوں کی ابھی تک اس بارے میں کوئی قطعی رائے نہ تھی کہ اُس کا ہمسائے میں رہنا اچھا ہے یا برا۔ لیڈیارڈ نے اُس واقعے کو جو ہمارے ہاں گزرا، خوب بڑھا چڑھا کر اِدھر اُدھر سنایا جس کی وجہ سے لوگ شین کو جب جب موقع ملتا، بہت گھور گھور کر دیکھتے۔ مگر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ لیڈیارڈ کی باتوں کا کتنا اعتبار کرنا چاہیے۔ اُس کی بات کچھ زیادہ نہ چلی اس لیے لوگ شین کے بارے میں کوئی قطعی رائے قائم نہ کر سکے، اور اسی کی اُن کو خلش تھی۔

ایک دو مرتبہ جب میں آلی جانسن کے ساتھ بستی کے اُس پار تالاب تک گیا جو ہمارا مچھلی پکڑنے کا خاص ٹھکانا تھا، تو میں نے مسٹر گرافٹن کی دوکان کے سامنے لوگوں کو اُس کے بارے میں چہ میگوئیاں کرتے سنا۔ ''ارے یہ تو وہی آہستہ آہستہ سلگنے والا فلیتہ ہے......'' میں نے ایک بڑھے کو کہتے ہوئے سنا جو خچروں کی کھال اتار کر چمڑا بنایا کرتا تھا۔ ''چپکا، بے زبان، کسی کو شان گمان بھی نہ ہو کہ اندر ہی اندر سلگ رہا ہوگا۔ بس بارود تک آیا نہیں کہ ایک دھماکے میں ساری بستی ہلا کے رکھ دے۔ بڑا فتنہ ہے وہ۔ اس بستی میں تو فساد بہت دن سے پک رہا ہے۔ نہ معلوم کب پھوٹ پڑے اور کیا تماشا دکھائے۔ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' اس بات کو سن کر میں بھی بڑی سوچ میں پڑ گیا۔

O

مگر ایک اور بات تھی جو میرے لیے سب سے زیادہ عجیب تھی اور یہ کوئی دو ہفتے بعد جا کر سمجھ میں آئی۔ شین کبھی بندوق لے کر نہ نکلتا تھا۔

اُن دنوں تمام ملک میں بندوق اتنی عام تھی جیسے جوتا یا گھوڑے کی زین۔ اس کا استعمال تو کم ہی ہوتا سوائے شکار وغیرہ کے، لیکن نظر ضرور آتی۔ جب تک لوگ بندوق سے لیس نہ ہوں، یہ سمجھتے گویا پوری پوشاک ہی نہیں پہنی۔

ہم زمیندار لوگ زیادہ تر رائفل یا چھرے والی بندوق رکھتے اور ضرورت کے وقت نکالتے۔ پہلو میں پستول لٹکانا کھیتی باڑی کرنے والوں کے لیے دوبھر ہوتا۔ پھر بھی ہر آدمی کے پاس کارتوس کی پیٹی اور خول چڑھا کولٹ پستول موجود ہوتا جسے وہ کام یا کھیل کود کے علاوہ برابر سجا کر نکلتے۔ ابا بھی جب کبھی باہر جاتے، چاہے بستی ہی تک جائیں، تو اپنا پستول لگا کر جاتے۔ میرے خیال میں یہ زیادہ تر صرف عادت یا روایت کی بنا پر تھا۔

مگر شین کبھی ہتھیار لے کر نہ نکلا۔ اور یہ بڑی عجیب بات تھی کیونکہ اُس کے پاس ہتھیار موجود تھا۔

یہ ہتھیار میں نے ایک دفعہ دیکھ لیا تھا۔ اُس دن جب کہ میں غلے کی کوٹھی میں اکیلا تھا اور مجھے اُس کی زین والی زنبیل تخت کے نیچے پڑی ہوئی دکھائی دی جس پر وہ سوتا تھا۔ عام طور پر وہ اُسے نیچے چھپا کر رکھتا تھا۔ اُس دفعہ شاید بھول گیا ہوگا کیونکہ یہ تکیے کے پاس کھلی پڑی تھی۔ میں نے اُسے چھو کر دیکھنا چاہا۔ مجھے اُس کے اندر پستول رکھا ہوا محسوس ہوا۔ کوئی موجود نہ تھا اس لیے میں نے تسمے کھول، کمبل نکالا تو اُس کی تہ میں سے پستول برآمد ہوا۔ ایسا خوشنما ہتھیار میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ خوشنما بھی اور خوفناک بھی۔

پستول کا خانہ اور کارتوسوں کی پیٹی اُسی نرم سیاہ چمڑے کی تھی جس کے بنے ہوئے جوتے تھے جو تخت کے نیچے رکھے تھے، اور اُن پر بھی ویسی ہی کاریگری کی گئی تھی۔ مجھے اتنا معلوم تھا کہ یہ وہی ایک دفعہ چلنے والا کالٹ مارک پستول ہے جیسا کہ فوج میں استعمال ہوتا تھا اور اُن دنوں بھی آدمی اُس پر لوٹ تھے۔ پرانے لوگ کہتے تھے کہ ایسا پستول آج تک نہیں بنا۔

یہ اُسی وضع کا پستول تھا مگر فوجی ہتھیار نہ تھا۔ گہرے سیاہی مائل رنگ کا، مگر یہ سیاہی اوپر روغن کی وجہ سے نہ تھی بلکہ دھات کے اندر موجود تھی۔ ہتھے کے بیرونی خم کی گرفت بہت اچھی

تھی اور اندرونی خم پر انگلیاں سہولت سے جمتی تھیں۔ دو ہاتھی دانت کی پٹریاں بھی دونوں طرف بڑی صفائی اور ہنرمندی سے جمائی گئی تھیں۔

بناوٹ اور گرفت ایسی تھی کہ ہاتھ سے چلائے بغیر نہ رہا جائے۔ میں نے خانے کو تھام کر پستول کھینچا تو وہ اس طرح نکل پڑا کہ مجھے اس کو اپنے ہاتھ میں دیکھ کر حیرت ہوئی۔ ابا ہی کے پستول کی طرح بھاری مگر اس سے زیادہ آسانی کے ساتھ چلنے والا۔ آپ اسے اٹھا کر نشانہ لیجیے تو گویا ہاتھ میں آپ ہی آپ سنبھل جاتا تھا۔

صاف شفاف، چمکدار اور چکنایا ہوا تھا۔ میں نے کھٹکا کھول کر جھٹکا دیا تو خالی خانہ بغیر کسی آواز کے جھٹ گھوم گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ مکھی نکال دی گئی تھی۔ نال آخر تک ہموار تھی اور گھوڑے کو گھس کر ڈھیلا کر لیا گیا تھا۔

لیکن یہ پستول تھا کس کام کے لیے؟ آخر کوئی آدمی جس کے پاس ایسا عمدہ ہتھیار موجود ہو وہ اسے کبھی لے کر کیوں نہ نکلے؟ اس کے ہتھیار کے سبک پن اور خوفناک ہیئت پر نظر کر کے مجھے ایک دم جھرجھری سی آ گئی۔ میں نے ہر چیز اسی طرح بند کر دی اور جلدی سے باہر دھوپ میں نکل آیا۔

میں نے موقع ملتے ہی ابا سے اس کا ذکر کر دیا۔ ''ابا!'' میں نے گھبرائے ہوئے کہا۔ ''تمھیں خبر ہے شین نے اپنے کپڑوں میں کیا لپیٹ رکھا ہے؟''

''شاید کوئی ہتھیار ہوگا۔''

''مگر...... تم کو کیسے معلوم ہو گیا۔ کیا تم نے دیکھا ہے؟''

''نہیں۔ مگر ہتھیار تو اس کے پاس ہوگا ہی۔''

میں بکھ سٹ پٹا گیا۔ ''مگر وہ اسے کبھی نکالتا کیوں نہیں؟ کیا تمھارے خیال میں اسے اچھی طرح چلانا نہیں آتا ہوگا؟''

ابا اس طرح مسکرائے جیسے میں نے کوئی مذاق کیا۔ ''بیٹے! اگر وہ اپنا پستول لے کر تمھاری قمیص کے بٹن اس طرح اڑا دے کہ تمھارا بال بھی بیکا نہ ہو اور ہوا کی ایک سرسراہٹ

سے زیادہ کچھ محسوس نہ ہو تو مجھے ذرا بھی تعجب نہ ہوگا۔"

"اچھا، سچ مچ؟ پھر وہ اُسے کھلیان میں کیوں چھپا کر رکھتا ہے؟"

"یہ معلوم۔ ٹھیک ٹھیک نہیں بتایا جا سکتا۔"

"تم اُس سے پوچھتے کیوں نہیں؟"

ابا نے میری طرف کڑوی نظروں سے گھورا۔ "یہ بات تو میں اُس سے عمر بھر نہیں پوچھ سکتا۔ کچھ ایسی باتیں ہوتی ہیں جو کسی آدمی سے کبھی نہیں پوچھی جاتیں بشرطیکہ دل میں اس کی عزت ہو۔ اُسے حق ہے کہ اپنی بعض باتوں کو اپنے ہی تک رکھے۔ مگر باب، اتنا میں تم کو بتا دوں کہ جب کوئی آدمی اپنا ہتھیار لے کر نہیں نکلتا تو تم آنکھ بند کر کے چاہے جس چیز کی شرط بد لو کہ اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوگا۔"

بات یہاں ختم ہوگئی۔ مجھے پھر بھی کچھ دبدھا ضرور تھا مگر جب ابا ایک بات دعوے سے کہہ دیتے تو پھر اور کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہ رہتی۔ جب تک انھیں کامل یقین نہ ہوتا وہ کوئی بات ایسے لمبے چوڑے دعوے کے ساتھ نہ کہتے۔ میں وہاں سے کھسکنے لگا۔

"باب۔"

"جی، ابا۔"

"میری بات سنو بیٹے۔ شین کو بہت زیادہ پسند نہ کرنے لگو۔"

"کیوں نہیں؟ کیا اُس میں کچھ برائی ہے؟"

"نہیں نہیں۔ اُس میں تو کوئی برائی نہیں۔ کوئی ایسی بات نہیں جسے برائی کہا جائے۔ اُس میں بہت سی اچھی باتیں ہیں جو شاید کسی آدمی میں بھی نہ ملیں۔ مگر ——" ابا سوچ رہے تھے کہ کیا کہیں۔ "مگر یاد رکھو کہ وہ ٹکنے والا آدمی نہیں۔ اُس نے اپنے منہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ ایک روز چل دے گا۔ اور اگر تم اُس سے بہت زیادہ مانوس ہو گئے تو برا حال کر لو گے۔"

ابا کا مطلب یہ نہیں تھا جو انھوں نے کہا۔ مگر وہ مجھے یوں ہی سمجھانا چاہتے تھے۔ اس لیے میں نے کوئی اور سوال نہیں کیا۔

باب-۵

ہفتے پر ہفتہ گزرتا رہا اور تھوڑے ہی دنوں میں یہ بات بعید معلوم ہونے لگی کہ کبھی شمین ہمارے ساتھ نہ رہا ہوگا۔ ابا اور وہ اس طرح مل کر کام کرتے کہ آقا اور ملازم نہیں، ساتھی معلوم ہوتے۔ وہ دونوں ساتھ لگ کر اتنا کام کر ڈالتے کہ حیرت ہوتی تھی۔ وہ کھائی جس کی بابت ابا کا خیال تھا کہ گرمیوں بھر کھودی جاتی رہے گی، ایک مہینے میں تیار ہوگئی۔ اناری نی بنائی کھڑی تھی اور اتفاقا کی پہلی کٹائی اُس میں بھر دی گئی تھی۔

ہمارے پاس اتنا چارا ابھر گیا تھا کہ ہم کچھ اور بچھڑے خصی کر کے اگلی گرمیوں تک کے لیے پال سکتے تھے۔ اس لیے ابا وادی کے باہر والی پالوں میں گئے جہاں پہلے کام کیا کرتے تھے، اور آدھی درجن اور ہانک لائے۔ وہ دو ہی دن کے لیے گئے تھے۔ واپس آئے تو دیکھا کہ شمین نے اُن کے پیچھے مویشیوں کے باڑے کا پچھلا جنگلہ گرا کر اور آگے بڑھا دیا تھا جس سے احاطہ تقریبا دوگنا ہوگیا تھا۔

''اب تو واقعی اگلے سال ہمارا کام چل پڑے گا۔'' شمین نے کہا۔ ابا گھوڑے پر بیٹھے باڑی کو اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے یقین نہ آتا ہو کہ کیا دیکھ رہے ہیں۔ ''ہمیں اس نئے کھیت سے اتنا چارا اور بھر لینا چاہیے کہ چالیس جانور پل سکیں۔''

''واہ رے واہ۔'' ابا نے کہا۔ ''اب تو ہمارا کام ضرور چل پڑے گا۔ اور اب ہمیں اور چارا بھر لینا چاہیے۔'' وہ ضرور بہت زیادہ خوش تھے کیونکہ شمین کو اسی طرح تیوریاں چڑھائے دیکھ رہے تھے جیسے کبھی کبھی مجھے دیکھتے جب میں کوئی کارنمایاں کرتا جس پر وہ دنگ رہ جاتے مگر ظاہر نہ کرنا چاہتے۔ وہ گھوڑے پر سے کود کر سیدھے اماں کے پاس گئے جو دہلیز کے آگے کھڑی تھیں۔

''میرین۔'' انھوں نے مویشیوں کے احاطے کی طرف انگلی اٹھا کر ایک دم سوال کیا۔

''یہ کس کو سوجھی تھی؟''

''سوجھی کسے تھی۔'' اماں نے جواب دیا۔ ''شین ہی کی تجویز تھی۔ مگر میں نے زور دیا کہ اسے کر ہی ڈالیں۔''

''یہی بات ہے۔'' شین بھی اُن کے پاس پہنچ گیا۔ ''انھوں نے مجھے اس کام میں ایسا جوتا کہ بس آج ہی کر ڈالو۔ اسے میری طرف سے ایک طرح کا تحفہ سمجھیے۔ آج آپ کے بیاہ کی سالگرہ ہے نا؟''

''ارے ہاں! میری یاد کا برا ہو جائے۔'' ابا نے کہا۔ ''ہے تو سہی۔'' وہ کچھ بوکھلائے ہوئے سے کبھی ایک کو کبھی دوسرے کو دیکھتے۔ شین کے سامنے ہی وہ اُچک کر اوپر اماں کے پاس پہنچ گئے اور انھیں بوسہ دیا۔ میں کچھ گھبرا سا گیا اور منہ پھیر لیا، اور خود بھی اچھلنے لگا۔

''ارے دیکھو، وہ بچھڑے نکل بھاگے۔''

بڑے آدمی اُن کو بھول ہی گئے تھے۔ چھیوں بچھڑے سڑک پر رواں ہو گئے تھے، جدھر جس کا منہ اُٹھا۔ شین کی آواز ویسے تو اتنی نرم تھی مگر اُس نے اس زور سے للکارا کہ اُس کی آواز بستی کے آدھے راستے پر گونج گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ لپک کر ابا کے گھوڑے کے پاس پہنچا اور زمین پر ہاتھ ٹیک کر اوپر آ گیا۔ ایک ہی ایڑ میں اُس نے گھوڑے کو الف کر لیا اور ابا کا وہ ٹٹو جو گلّے بانی کے کام آتا تھا، اس طرح چمک کر دوڑ پڑا جیسے موج میں آ گیا ہو۔ اتنے ابا مویشیوں کے احاطے تک پہنچیں، شین نے بھگوڑے جانوروں کو ہانک کر اکٹھا کر لیا اور ڈگی چال واپس آ رہا تھا۔ اُس نے اُن سب کو بڑی صفائی سے اندر ہانک دیا۔

جب تک ابا نے دروازہ بند کیا وہ گھوڑے پر سینہ تانے بیٹھا رہا۔ وہ اور ٹٹو دونوں ذرا ہانپ تو گئے تھے مگر دونوں گردن اکڑائے بڑی شان سے کھڑے تھے۔

وہ بولا۔ ''آج دس سال سے مجھے اس قسم کے کام کا اتفاق نہ ہوا تھا۔''

ابا اُس کی طرف دانت نکال کر مسکرائے۔ ''شین، اگر میں تم کو نہ جانتا ہوتا تو سمجھتا کہ بڑ

ہانک رہے ہو۔ تم ویسے پھر بھی بچے ہی ہو۔"

شین کے چہرے پر پہلی بار ہی مسکراہٹ نظر آئی۔ وہ بولا۔"جی ہاں، ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے۔"

○

میرا خیال ہے وہ میری زندگی کی سب سے سہانی گرمیاں تھیں۔

ہماری وادی کی سب سے بڑی نحوست وہ جھگڑے تھے جو ہم زمینداروں اور فلیچر کے درمیان ہوتے چلے آتے تھے۔ یہ اب بھولتے جا رہے تھے۔ فلیچر ان مہینوں میں خود بھی غائب رہا۔ وہ فورٹ بینٹ گیا تھا جو ڈکوٹا کی ریاست میں واقع ہے، بلکہ سنا تھا شاید اس سے بھی آگے مشرق کی طرف واشنگٹن تک گیا ہے۔ وہ بلیک ہلز کے اُس پار سوئی ریزرویشن میں سٹینڈنگ راک کے ایک انڈین ایجنٹ کو گوشت مہیا کرنے کا ٹھیکہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُس کے دارونہ مورگن اور چند دوسرے کڑے ساتھیوں کو چھوڑ کر اُس کے اور ساتھی زیادہ تر بے پروا قسم کے اینڈنے والے چھوکرے تھے جو کبھی کبھی بستی میں آ کر ذند مچاتے مگر نقصان کم پہنچاتے تھے، اور وہ بھی صرف تفریحاً۔ جب فلیچر موجود نہ ہوتا، جو اُنھیں ہمارے ستانے پر اُبھارتا رہتا تھا، تو ہم اُن سے خاصے مانوس ہو جاتے۔ جن دنوں وہ گیا ہوا تھا یہ لوگ دریا کے اُس پار ہی رہے اور ہم سے کوئی چھیڑ خانی نہیں کی۔ بلکہ کبھی وہ کنارے کے پاس سے سواری کرتے ہوئے گزرتے اور کوئی نظر آ جاتا تو ہاتھ وات بھی ہلا دیتے۔

جب تک شین نہ آیا تھا میں اُنھیں کو ہیرو سمجھتا تھا۔ ابا بے شک اپنی مخصوص جگہ رکھتے تھے۔ اُن کی برابری تو کوئی کر ہی نہیں سکتا تھا۔ میں اُنھیں جیسا بننا چاہتا تھا بالکل جیسے وہ تھے۔ مگر اُس سے پہلے میں گھوڑا دبائے پورے علاقے کا گشت کرنا چاہتا تھا جیسے اُنھوں نے کیا تھا۔ میرے پاس اپنے ٹٹو ہوتے اور میں کسی بڑی مہم یا مویشی ہنکانے کے کسی بڑے جلتے میں شریک ہوتا۔ ایسے ہی منچلے جوان میرے ساتھ ہوتے اور میری جیبوں میں پوری فصل کی یافت چھنک رہی ہوتی۔

لیکن اب مجھے نئے سرے سے غور کرنا پڑا۔ اب میں شمین کی طرح کا آدمی بننا چاہتا تھا جیسا کہ میرے خیال میں وہ اپنے پچھلے دنوں میں رہا ہوگا، جس کے گرد اُس نے حصار کھینچ رکھا تھا۔ زیادہ تر باتیں مجھے صرف تصور کرنی پڑتی تھیں۔ وہ خود بھی کوئی ذکر نہ چھیڑتا۔ بالکل گم سُم تھا۔ اُس کا نام تک ایک راز بنا رہا۔ بس ''شمین'' اور کچھ نہیں۔ ہمیں کبھی معلوم نہ ہوا کہ یہ اُس کا پہلا نام تھا یا دوسرا، یا اُس کے گھرانے کا نام۔ ''مجھے شمین کہہ کے پکارے۔'' اُس نے اتنا ہی کہا تھا۔ مگر میں نے اپنے تصور میں طرح طرح کے کارنامے اُس سے منسوب کر لیے تھے۔ ان کا تعلق کسی خاص جگہ یا وقت سے نہ تھا۔ ایک دبلا سا، سنولائی ہوئی رنگت کا بہادر مثالی نوجوان ہے کہ ہر طرح کے خطروں سے اطمینان کے ساتھ گزرتا چلا جاتا ہے جو کسی دوسرے کو چت کر کے رکھ دیتے۔

میں ابا اور شمین کے درمیان مویشیوں کے کاروبار کی گفتگو اس عقیدت سے سنتا کہ بس عادت ہی کے لگ بھگ پہنچ جاتی۔ وہ چارا کھلانے اور موٹا کرنے کے مختلف طریقوں پر بحث کرتے۔ مگر اس بات پر دونوں متفق تھے کہ میدان میں کھلا چھوڑ دینے سے اندر رکھ کر پالنا بہتر ہے۔ اور یہ کہ نسل کو بہتر بنانا بہت ضروری ہے چاہے اس کے لیے باہر سے بڑی رقمیں خرچ کر کے اچھے بیل منگوانے پڑیں۔ اس پر بھی خیال آرائی ہوتی کہ ریلوے لائن ادھر کب آتی ہے تاکہ مال سیدھا وہیں سے روانہ کیا جا سکے اور مویشیوں کو دور دراز ہنکا کر نہ لے جانا پڑے جس سے اچھا خاصا گوشت گھل جاتا ہے۔

یہ ظاہر تھا کہ اب شمین ہم سے اور اپنے کام سے مانوس ہو گیا ہے۔ رفتہ رفتہ اُس کی کشیدگی کم ہو رہی تھی۔ گو وہ اب بھی ویسا ہی چوکنا رہتا اور گرد و پیش پر ویسی ہی کڑی نظر رکھتا۔ کیا مجال جو کسی بات سے بے خبر ہو۔ آخر میں سمجھ گیا کہ یہ دراصل اُس کی فطرت تھی، اوپری یا سکھائی ہوئی بات نہ تھی۔ یہ اُس کی شخصیت کا ایک جزو تھی۔ مگر خیر اب وہ چوکنے پن کی عادت، ہر بات پر کان کھڑے کرنا، اور ہر وقت کسی نامعلوم خطرے کا انتظار، کم ہوتا جا رہا تھا۔

پھر بھی وہ نہ معلوم کبھی کبھی عجیب عجیب باتیں کیوں کرتا اور اُس کے اندر ایک چھپی ہوئی

پستول
تنی اور کھنچن کیوں دکھائی دیتی، جیسے کہ اُس وقت ہوا جب میں گرافٹن کے دیے ہوئے پستول سے کھیل رہا تھا۔ ایک پرانا سرحدی طرف کا ہتھیار، جو تڑقی ہوئی نالی کا جسے کوئی ہتی کے سٹور میں دے گیا تھا۔ میں نے ایک پھٹے ہوئے موم جامے کے ٹکڑے کو جوڑ کر پستول کا خانہ بنالیا تھا اور رسی کی پیٹی بنا کر باندھ لی تھی۔ میں کھلیان کے قریب اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا اور ہر قدم پر گھوم گھوم کر اپنی دانست میں ایک انڈین کو مار گراتا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ شین کھلیان کے دروازے سے مجھے دیکھ رہا ہے۔ میں فوراً ٹھٹھک گیا اور مجھے اُس خوشنما پستول کا خیال آیا جو اُس کے تخت کے نیچے رکھا تھا، اور ڈرا کہ وہ میرے ٹوٹے پھوٹے پستول کا مذاق اڑائے گا۔ اِس کے برخلاف اُس نے بڑی سنجیدگی سے مجھے دیکھا۔ ''کیوں باب، اب تک کتنے مار گرائے؟''

میں اُس شخصیت کی شفقت کا بدلہ کیونکر ادا کر سکتا ہوں؟ میرا ہتھیار چمک اُٹھا۔ میرا ہاتھ چٹان کی سی مضبوطی کے ساتھ جم گیا۔ میں نے ہوا میں سے ایک نشانہ اور لگایا۔

''اب سات ہوئے۔''

''انڈین یا جنگلی بھیڑیے؟''

''انڈین۔ بہت بڑے بڑے۔''

''اچھا تو اب چند ایک دوسرے جوانمردوں کے لیے بھی رہنے دو۔'' اُس نے بڑی نرمی سے کہا۔ ''کہیں دوسرے تم سے جلنے نہ لگیں۔ اور دیکھو باب! تم ٹھیک سے نشانہ نہیں لیتے۔''

وہ ایک اوندھے ہوئے بکس پر بیٹھ گیا اور مجھے اپنے پاس بلایا۔ ''تمھارا خانہ بہت نیچے لٹکا ہوا ہے۔ اسے پورے بازو کے برابر مت جھکاؤ۔ بس پہنچے کے ذرا نیچے لٹکنے دو تا کہ ہتھیار بندھا ہوا ہو تو ہتھا تمھاری کلائی اور کہنی کے بیچ بیچ رہے۔ اِس طرح تم ہاتھ اُٹھاتے اُٹھاتے ہتھیار سنبھال لو گے اور اتنی گنجائش رہے گی کہ پستول کو بہت اونچا کیے بغیر خانے میں سے نکال لو۔''

''سچ مچ؟ کیا اصلی نشانہ باز ایسا ہی کرتے ہیں؟''

ایک عجیب سی چمک اُس کی آنکھوں میں پیدا ہو کر غائب ہو گئی۔ ’’نہیں۔ سب تو نہیں۔ اکثر لوگوں کا طریقہ اپنا اپنا الگ ہوتا ہے۔ کوئی خانہ کندھے پر لٹکاتا ہے، کوئی پستول کو پیٹی میں اٹکا لیتا ہے۔ بعض دو پستول لے کے چلتے ہیں۔ وہ محض دکھاوا اور خواہ مخواہ کا بوجھ ہے۔ ایک ہی کافی ہے بشرطیکہ تمھیں اس کا استعمال آتا ہو۔ میں نے ایک آدمی کے پاس ایسا خانہ بھی دیکھا ہے جو نالی پر سے کھلا ہوا تھا اور ایک شکنجے کے ساتھ پیٹی میں اٹکا ہوا تھا۔ اُسے پستول خانے میں سے نکالنے کی ضرورت نہ تھی۔ بس نالی اوپر کر کے گھوڑا دبا کے پاس ہی سے گولیاں چھوڑنا شروع کر دیتا۔ یہ قریب کی لڑائی اور بڑے نشانے کو گرانے کے لیے تو بہت پھرتیلا طریقہ ہے، مگر دس پندرہ قدم کے فاصلے سے نشانہ یقینی نہیں ہوتا اور شست نہیں لی جا سکتی۔ جو طریقہ میں تمھیں بتا رہا ہوں وہ بہت سے طریقوں سے بہتر اور زیادہ پھرتیلا ہے۔ ایک بات اور بھی ہے......‘‘

اُس نے ہاتھ بڑھا کر پستول لے لیا۔ اچانک میں نے پہلی بار اُس کے ہاتھوں کو قریب سے دیکھا۔ چوڑے اور مضبوط ہاتھ تھے مگر ابا کے ہاتھوں کی طرح بھاری اور گداز نہ تھے۔ انگلیاں لمبی اور سروں پر سے چپٹی تھیں۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ ہتھیار کو لیتے ہی اُس کی انگلیوں نے گویا اپنی عقل سے آپ چلنا شروع کر دیا۔ ایسی بچی تلی جنبشیں تھیں کہ جیسے انگلیوں کو قصداً چلانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

اُس کا داہنا ہاتھ دستے پر تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ اسی کے لیے بنا ہے۔ اُس نے پرانے پستول کو ڈھیلے ہاتھ سے اوپر کیا اور اطمینان سے تھامے رہا۔ پھر انگلیاں کسیں، گرفت مضبوط کی اور انگوٹھے سے گھوڑے کو چھیڑ کر دیکھا کہ کیسا کام کرتا ہے۔

میں منہ کھولے اُس کو تکتا رہا۔ اُس نے پستول کو دھیمے سے ہوا میں اچھال کر اُلٹے ہاتھ میں لپک لیا اور یہ اُسی اطمینان اور صفائی کے ساتھ اُس ہاتھ میں بھی آن رہا۔ اُس نے اُس کو پھر اُچھالا اور اب کے وہ اور بھی اونچا قلابازی کھاتا ہوا گیا اور پھر سیدھے ہاتھ میں لپک لیا۔ گھوڑے کی انگلی ایک ہی ساتھ لبلبی پر پہنچ گئی۔ اُس کے ہاتھ میں وہ پرانا پستول بھی کوئی جیتی جاگتی چیز معلوم ہو رہا تھا نہ کہ بے جان، زنگ آلود دھات کی بنی ہوئی کوئی شے۔ گویا وہ بھی اُس کے

جسم کا ایک جزو ہو گیا تھا۔

''اگر پھرتی سے کام لینا ہو باب تو ہاتھ کی حرکت کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کرو۔ یہ نہیں کہ پہلے پستول اُٹھایا، پھر گھوڑا دبایا، پھر نشانہ لیا، پھر گولی چلائی۔ پستول اُٹھانے کے ساتھ ہی گھوڑا دباؤ اور جیسے ہی سیدھ پر آئے لبلبی دبا دو۔''

''پھر تم نشانہ کیسے لیتے ہو؟ سیدھ کیسے باندھتے ہو؟''

''اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ نالی کو اس طرح رکھو کہ انگلیوں کی سیدھ میں رہے۔ اگر انگلیاں سیدھی ہوں تو تمھیں اس کو اوپر لا کر نشانہ باندھنے میں وقت نہ ضائع کرنا پڑے گا۔ بس ایسے سیدھا لو جیسے انگلی سے اشارہ کرتے ہیں۔''

''جیسے انگلی سے اشارہ کرتے ہیں۔'' یہ الفاظ کہتے کہتے اُس نے کر کے بھی دکھا دیا۔ نالی مویشیوں کے گھیرے کے قریب کسی نشانے پر تھی اور گھوڑا کھٹا کھٹ خالی خانے پر چل رہا تھا۔ اچانک اُس کا ہاتھ سفید پڑ گیا۔ انگلیاں رفتہ رفتہ کھلیں اور پستول چھٹ کر گر پڑا۔ اُس نے ہاتھ اکڑا کر عجیب انداز سے کمر پر رکھ لیا۔ پھر اُس نے سر اُٹھایا اور اُس کا دہانہ چہرے پر ایک بڑا سا گھاؤ بن کر رہ گیا۔ اُس کی آنکھیں دور اونچے پہاڑوں پر جمی ہوئی تھیں۔

''شین۔ شین کیا ہوا؟''

اُس نے میری بات سنی ہی نہیں۔ وہ کہیں پچھلی یادوں کے دھندلکے میں غائب ہو گیا۔

اُس نے ایک گہرا سانس لیا۔ میں نے دیکھا کہ اُسے دوبارہ اپنے حال سے خبردار ہونے کے لیے بڑا زور لگانا پڑا، اور وہ بڑی کوشش سے یہ احساس کر سکا کہ ایک لڑکا اُس کے پاس بیٹھا اُس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اُس نے مجھے اشارہ کیا کہ پستول اُٹھا لوں، اور بڑی سنجیدگی سے بولا:

''سنو باب! پستول ایک آلہ ہے جیسے کوئی اور آلہ۔ کسی سے کم نہ کسی سے زیادہ۔ پھاوڑا ہو یا کلہاڑا، زین ہو کہ چولھا، یا اور کوئی چیز۔ بس اس کو ایسا ہی سمجھو۔ پستول اُتنا ہی اچھا یا برا ہوا کرتا ہے جیسا کہ اُس کا چلانے والا۔ اس بات کو یاد رکھنا۔''

وہ کھڑا ہو گیا اور کھیتوں کی طرف چل دیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ تنہائی چاہتا ہے۔ جو کچھ اُس نے کہا وہ میں نے اچھی طرح گرہ میں باندھ لیا تھا۔ مگر ان دنوں میں مجھے اُس کا پستول سنبھالنا اور اُس کے استعمال کے طریقے جو اُس نے بتائے وہ زیادہ یاد آتے رہے۔ میں اپنے پستول پر ہاتھ صاف کرتا اور اُن دنوں کا خیال کرتا جب میرے پاس اصلی پستول ہوگا جو سچ مچ کا نشانہ لگائے گا۔

پھر گرمیاں ختم ہو گئیں۔ سکول دوبارہ کھل گیا۔ دن چھوٹے ہونے شروع ہو گئے اور جاڑوں کا پہلا تیز وار پہاڑوں پر سے ہمارے سروں پر اُترا چلا آ رہا تھا۔

باب-۶

صرف گرمیاں ہی ختم نہیں ہوئیں۔ ہماری وادی میں میل جول کا زمانہ بھی سورج کی گرمی کے ساتھ ساتھ رخصت ہونے لگا۔ فلیچر اپنا ٹھیکے کا پروانہ لے کر واپس آ گیا تھا۔ وہ بستی میں کہتا پھرتا تھا کہ اُسے پورا علاقہ چاہیے۔ جن زمینداروں نے یہاں چھاونی چھا رکھی ہے اُنھیں بے دخل ہونا پڑے گا۔

یوں تو وہ بڑی صفائی سے کہتا کہ میں بڑا حق پسند آدمی ہوں۔ جو کچھ لاگت کسی نے لگائی ہوگی اُس کا مناسب معاوضہ دوں گا۔ مگر ہمیں معلوم تھا کہ "مناسب" سے فلیچر کی کیا مراد ہے۔ یہاں سے چلے جانے کا ہمارا کوئی ارادہ نہ تھا۔ زمین پر ہمارا قبضہ سچا تھا اور سرکار اُسے تسلیم کر چکی تھی۔ ہاں! یہ بھی ہم جانتے تھے کہ سرکار ہم سے کتنے دور دراز فاصلے پر تھی ہے جہاں اُس کی اصل عملداری ہے۔

نزدیک ترین فوجی حاکم (مارشل) ہم سے کئی سو میل دور ہوگا۔ ہماری بستی میں تو کوئی چھوٹا موٹا مقامی افسر بھی نہ تھا۔ اس کی کبھی ضرورت ہی نہ پڑی تھی۔ کبھی لوگوں کو کوئی عدالتی قضیہ درپیش ہوتا تو شیریڈن چلے جاتے جو گھوڑوں پر دن بھر کی مسافت تھی۔ ہماری بستی چھوٹی سی تھی اور قصبے کی شکل بھی نہ رکھتی تھی۔ بڑھتی ضرور جا رہی تھی مگر شاہراہ کے نزدیک ایک نوآبادی سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی۔

سب سے پہلے یہاں تین کان کن آباد ہوئے تھے جو کان کنی کی انجمن موسومہ "بگ بارن" کے ٹوٹنے پر کوئی بیس برس پہلے سونے کی تلاش میں آئے تھے۔ انھیں کچھ آثار بھی ملے تھے۔ اور یہ درمیانے درجے کی ایک کان تک پہنچے تھے جو درّے کے منہ پر واقع تھی جہاں سے میدان کا ڈھال شروع ہو جاتا تھا۔ یہ کوئی بہت بڑی دریافت نہ تھی کیونکہ بعد میں جو لوگ

آئے، انھیں جلد ہی مایوس ہو کر جانا پڑا۔ پہلے چند لوگوں نے البتہ خاصا کما لیا اور اپنے بال بچوں اور کچھ ساتھیوں کو ہاتھ بٹانے کے لیے بلا لیا۔

پھر ایک بار برداری کے کاروباری سلسلے نے اس مقام پر اپنا ایک پڑاؤ قائم کیا جہاں لوگوں کو کھانے پینے کا سامان اور گھوڑے مل جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ میدانی چراگاہوں کے گوالوں اور فلیچر کی ٹولی کے آدمیوں کی آمد شروع ہوگئی۔ اُس کے بعد ہم کھیتی باڑی کرنے والے لوگ چلے آئے۔ ہر موسم میں ایک دو چلے آتے اور بستی آباد ہوتی چلی گئی۔ کئی سٹور، ایک سواری کے سامان کی دوکان، ایک لوہار، اور کوئی درجن بھر دوسرے گھر آباد ہو چکے تھے۔ پچھلے سال سے لوگوں نے مل جل کر ایک کمرے میں سکول بھی کھول لیا تھا۔

سام گرافٹن کی عمارت سب سے بڑی تھی۔ اُس کے پاس ایک بساط خانہ تھا اور اُس کے پیچھے کئی رہائشی کمرے تھے۔ اُس کی پھیلی ہوئی عمارت کے بیچ آدھے حصے میں ایک تفریح گھر تھا جس میں لمبا سا آبدار خانہ تھا اور تاش وغیرہ کھیلنے کی میزیں پڑی تھیں۔ اوپر کی منزل میں اُس کے پاس کئی رہائشی کمرے تھے جن میں وہ مسافروں کو ٹھہرا لیتا تھا۔ وہ ہمارا پوسٹ ماسٹر بھی بنا ہوا تھا۔ کافی عمر کا آدمی تھا۔ کاروبار میں چوکس، مگر معاملے کا سچا اور کھرا۔ بعض چھوٹے موٹے جھگڑوں میں وہ پنچ بھی بن جاتا تھا۔ بیوی مر چکی تھی۔ اُس کی بیٹی جین گھر کا انتظام کرتی تھی اور جن دنوں سکول کھلا ہوتا تو ہماری استانی بھی وہی ہوتی۔

اگر کوئی تحصیل کا حاکم وہاں ہوتا بھی تو وہ فلیچر کا آدمی ہوتا۔ فلیچر کی اس وادی میں بڑی چلتی تھی۔ ہم زمیندار لوگ تو چند ہی سال سے یہاں بسے تھے اور دوسرے لوگ یہی سمجھتے تھے کہ ہم یہاں فلیچر ہی کے ماتحت سے بسے ہوئے ہیں۔

جب یہاں پہلے پہل کان کن پہنچے تو وہ ساری وادی میں مویشیوں کا کاروبار کر رہا تھا۔ اُس نے کچھ چراگاہیں خرید لی تھیں اور کچھ زمین ہموار کر لی تھی۔ کئی برس خشک سالی رہی جس کا سلسلہ ۸۶ء کی خشک گرمیوں اور خوفناک سردیوں تک چلا۔ اس کی وجہ سے اُس کا گلّہ ہم لوگوں کے آتے آتے تک گھٹ گھٹا کر آدھا رہ گیا تھا۔ چنانچہ اُس نے زیادہ روک ٹوک نہ کی۔ مگر

اب ہم سات گھر ہو گئے تھے، اور ہر برس تعداد بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

ابّا کہتے تھے کہ آبادی یقیناً بڑھے گی اور آخر ہمارا پلہ بھاری ہو جائے گا۔ مسٹر گرافن کا بھی میں سمجھتا ہوں ایسا ہی خیال تھا، مگر وہ محتاط آدمی تھے اور آئندہ سے زیادہ روزمرہ کے کاموں پر توجہ دیتے تھے۔ دوسرے لوگ صرف ہوا کے رخ کو دیکھ کر چلتے۔ فلیچر کی پوری وادی میں دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ چنانچہ لوگ اُس کی ہوا خواہی میں رہتے اور ہم کو بس گوارا ہی کیے ہوئے تھے۔ اگر وہ زور ڈالتا تو شاید یہ بھی اُس کے ساتھ مل کر ہمیں اُکھاڑنے کی کوشش کرتے۔ ہاں! وہ نہ ہوتا تو ہم اُن پر بھاری نہ تھے۔ خیر اب فلیچر ٹھیکہ حاصل کر کے لوٹ آیا تھا اور اُسے پوری زمین کا قبضہ درکار تھا۔

○

جونہی یہ خبر آئی، ہمارے گھر میں ایک چھوٹی سی پنچایت بیٹھی۔ لیو جانسن جو بستی کے رخ ہمارا پہلا ہمسایہ تھا، سب سے پہلے گرافن کے سٹور سے یہ خبر سن کر آیا اور سب سے کہتا ہوا ہمارے پاس پہنچا۔ اُس کے بعد ہنری شپ سٹیڈ پہنچے جو اُس سے اگلے گھر میں بستی کی طرف رہتے تھے۔ یہی سب سے پہلے زمیندار تھے جو یہاں آباد ہوئے۔ اپنے ۱۸۰ جانور قحط سے دو سال پہلے لے کر آئے تھے اور فلیچر نے اس پر بہت خار کھایا تھا۔ مگر پھر فلیچر کا گلہ قحط میں خود ہی مرکھپ کر گم ہو گیا اور اُس کو دوسرے افکار نے آگھیرا۔ یہ دونوں بڑے مضبوط، قابلِ اعتماد، پرانے کاشتکار تھے جو مغرب میں آیووا سے آئے تھے۔

دوسروں کے بارے میں جو وقتاً فوقتاً آتے رہے، کوئی قطعی رائے دینا مشکل تھا۔ جیمز لیوس اور ایڈ ہاورڈ دو ادھیڑ عمر کے گوالے تھے جو دلبرداشتہ سے ہو کر ابّا ہی کے پیچھے پیچھے چلے آئے تھے مگر اُن میں ابّا کی سی قوت اور ولولہ نہ تھا۔ اُن کو زیادہ کامیابی بھی نہ ہوئی تھی اور دباؤ پڑتا تو آسانی سے جی چھوڑ جاتے۔

فرینک ٹوری جو وادی میں اوپر جا کر آباد تھا، کمزور اعصاب کا وحشت زدہ سا آدمی تھا۔ اُس کی ایک لڑاکا بیوی اور میلے کچیلے بچوں کی ایک پوری قطار تھی جو ہر سال بڑھتی رہتی۔ وہ

ہمیشہ تنذبذب اُٹھا کر کیلی فورنیا سدھار جانے کی سوچتا رہتا۔ مگر اس کے اندر ایک آن ضرور تھی اور کہا کرتا تھا کہ کسی اکڑ باز چرواہے کی دھمکی میں آ کر تو میں یہاں سے ہلنے والا نہیں۔

ایبی رائٹ کے پاس وادی میں اوپر جا کر سب سے آخری ٹھکانا تھا اور اُس چراگاہ کے بالکل اوپر واقع تھا جو اب بھی فلیچر کے استعمال میں تھی۔ ہم سب میں کمزور یہی تھا۔ جسمانی طور پر نہیں۔ وہ خاصا ناٹا اور ویسے بڑا سیدھا سا آدمی تھا، اور اتنے پکے رنگ کا کہ لوگ اُسے آدھا انڈین بتاتے تھے۔ وہ ہمیشہ گنگنایا کرتا اور عجیب عجیب کہانیاں سناتا رہتا۔ مگر کام کے وقت شکار کو نکل جاتا۔ اور مزاج کا بھی ذرا تیز تھا۔ بے سوچے سمجھے جو جی میں آتا، کر بیٹھتا۔

وہ بھی اوروں کی طرح اُس رات بہت فکرمند تھا۔ مسٹر گرافٹن کا کہنا تھا کہ اس دفعہ فلیچر ضرور کچھ نہ کچھ کر گزرنے پر تلا ہوا ہے۔ اُس کو پانچ سال تک کا ٹھیکہ ملا ہے کہ جتنا گوشت مہیا کر سکتا ہو کرتا ہے۔ اور وہ اس موقع سے پورا پورا فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے۔

''مگر وہ کر کیا سکتا ہے؟'' فرینک ٹورری نے سوال کیا۔ ''زمین تاحیات ہماری ہے۔ قبضہ تین سال میں پختہ ہو جاتا ہے۔ ہم میں سے بعض نے تو پٹوں کی تصدیق بھی کرا لی ہے۔''

''وہ شاید سچ مچ کوئی شر نہ اُٹھائے۔'' جیمز لیوس بولا۔ ''فلیچر ہتھیار باز آدمی نہیں ہے۔ بس باتیں ہی بناتا ہے۔ باتوں سے تو کچھ نہیں بگڑتا۔'' اس پر کئی سر ہلے۔ جانسن اور شپ سٹیڈ کو اس کا زیادہ یقین نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ابا اب تک کچھ نہ بولے تھے۔ سب اُن کی طرف دیکھنے لگے۔

''جم کا کہنا صحیح ہے۔'' اُنھوں نے اتفاق کیا۔ ''فلیچر نے اب تک تو اپنے آدمیوں کو حد سے زیادہ نہیں بڑھنے دیا ہے۔ کم از کم اب تک تو ایسی نوبت نہیں آئی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آئندہ بھی نہ آئے گی جب اُس کے لیے کوئی اور صورت باقی نہ رہ جائے گی۔ وہ تندخو تو ضرور ہے مگر شاید ابھی کچھ عرصے تک اور زبردستی سے کام نہ لے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ اگلی بہار سے پہلے پہلے اپنے مویشی یہاں لانے شروع کرے گا۔ ہاں! شاید اب کی برف باری میں ہم پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کرے۔ اب دیکھو ہم دباؤ میں آتے ہیں یا نہیں۔ غالباً جھگڑا اسی جگہ

سے شروع ہوگا۔ ہم بھی آدمی اُسے زہر لگتے ہیں۔ مگر سب سے زیادہ میں۔"

"یہ تو ہے ہی۔" ایڈ ہاوڈز گویا اقرار کر رہا تھا کہ ابّا اُن کے سردار تھے۔ "آپ کے خیال میں اُس کے ہتھکنڈے کیا ہوں گے؟"

"میرا اپنا خیال تو اس بارے میں یہ ہے " ابّا نے آہستہ آہستہ مسکرا کر کہنا شروع کیا، گویا اس بازی کا اصل پتہ اُنھی کے ہاتھ میں تھا۔ "میرا خیال اس بارے میں یہ ہے کہ وہ ہمارے شین کو یہ سمجھانے کی کوشش کرے گا کہ میرے ساتھ کام کرنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"تمھارا مطلب ہے جیسے " ایرنی رائٹ شروع ہوا۔

"ہاں!" ابّا نے اُس کی بات کاٹی۔ "میرا مطلب ہے جیسے کہ اُس نے نوجوان مارلے کو توڑ لیا تھا۔"

میں اپنی چھوٹی سی کوٹھڑی میں سے جھانک رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ شین ایک طرف کونے میں بیٹھا خاموشی سے سب کی باتیں سن رہا تھا۔ اُس نے اپنے تعجب کا بھی اظہار نہیں کیا۔ اُس کو یہ جاننے کا بھی کوئی اشتیاق معلوم نہ ہوتا تھا کہ نوجوان مارلے کے ساتھ کیا گزری تھی۔ مجھے خوب یاد تھا۔ میں نے اُسے بستی سے ہٹ کر آتے دیکھا تھا۔ اُسے سخت چوٹیں آئی تھیں اور وہ اپنا سامان باندھتے وقت ابّا کو کوس رہا تھا کہ کیوں اُسے ملازم رکھا۔ پھر وہ گھوڑے پر بیٹھ کر چل دیا۔ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

مگر شین چپکا بیٹھا تھا۔ گویا مارلے کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا ہو، اُس کو اُس سے کوئی سروکار نہیں۔ اُسے پرواہ ہی نہ تھی کہ ہوا کیا ہوگا۔ آخر میں سمجھ گیا کہ کیوں؟ وہ مارلے نہیں، شین تھا۔

ابّا ٹھیک کہتے تھے۔ کسی نہ کسی طرح یہ خیال عام ہو گیا تھا کہ شین غیر معمولی آدمی ہے۔ اُس کی طرف معنی خیز طور پر انگلیاں اُٹھائی جاتی تھیں۔ اُس کو ملازم رکھ کر ابّا نے دریا کے اُس پار کے لوگوں کی دھمکی کا جواب دے دیا تھا۔ مارلے کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ ایک طرح کا ڈراوا تھا، اور ابّا نے اُس کا جواب دے دیا تھا۔ گرمیوں بھر کی خاموشی کے بعد اب پرانی رنجشیں پھر

تازہ ہوگئی تھیں۔ معاملہ جو ہماری وادی میں درپیش تھا، بالکل کھلا ہوا تھا۔ ایک نہ ایک دن اس کا فیصلہ ضرور ہونا تھا۔ اگر شمین کو بھی بھگا دیا جاتا ہے تو زمینداروں کو دھکا لگتا ہے، جو دراصل ایک آدمی کے جانے سے زیادہ بڑا نقصان تھا کیونکہ بات کی بات جاتی اور ہمت پست ہوتی۔ یہ گویا ایک شگاف ہوتا جو بند میں پڑ جائے تو پانی بہہ نکلتا ہے اور آخر پورا بند ڈھے جاتا ہے۔

بستی کے لوگ اب اور بھی زیادہ بے چین تھے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے نہیں کہ شمین پہلے کیا تھا بلکہ یہ کہ اگر فلیچر نے کوئی پیش قدمی کی تو آئندہ کیا کر کے دکھائے گا۔ سکول آتے جاتے میں مجھے روک کر سوال کرتے۔ میں جانتا تھا کہ ابا میرا کسی کو کوئی بات بتانا پسند نہیں کریں گے اس لیے میں ایسا ظاہر کرتا جیسے مجھے کچھ خبر نہیں وہ کیا پوچھ رہے ہیں۔ مگر میں شمین کو غور سے دیکھا کرتا اور حیران ہوتا کہ ایک آدمی کیسے عجیب طریقے سے اس بڑھتی ہوئی بے چینی کے عالم میں پوری وادی کی توجہ کا مرکز بن گیا ہے اور خود اُس کو اس کی کوئی پروا نہیں معلوم ہوتی۔

○

دراصل اُسے معلوم تو سب تھا۔ اُس کی نظر سے کوئی بات نہ چھپی تھی۔ مگر وہ بدستور اپنا کام کرتا رہا۔ اب وہ مجھ سے اکثر مسکرا کے باتیں کرتا۔ اماں سے کھانے پر ہنسی مذاق کرتا، مگر بڑی تمیزداری کے ساتھ۔ ابا سے اگلے سال کے منصوبوں کی بابت دوستانہ تبادلۂ خیال کرتا۔ ایک نئی بات صرف یہ تھی کہ دریا کے اُس پار زیادہ سرگرمی کے آثار پائے جاتے تھے۔ تعجب تھا کہ فلیچر کو ایسے کتنے کام درپیش رہتے ہیں جو ہماری آنکھوں ہی کے سامنے کرنے ہوں۔

ایک دفعہ سہ پہر کے وقت جب ہم گھاس کی آخری گٹھائی کھلیان میں بھر رہے تھے، بڑی سنسی کا ایک پہلو ٹوٹ گیا۔ "اب بستی میں لے جا کر بنوانا پڑے گا۔" ابا نے منہ بنا کر کہا، اور گھوڑوں کی جوڑی تیار کرنے لگے۔

شمین نے دریا کے پار نظر ڈالی جہاں ایک گوالا گھوڑے پر سوار تھوڑے سے مویشیوں کے آس پاس منڈلاتا پھر رہا تھا۔ "میں لے جاتا ہوں اسے۔" شمین نے کہا۔

ابا نے شین کی طرف دیکھا اور پھر سڑک کے پار، اور چونکا دکھا کر ہنسے۔ ''اچھا۔ بہتر ہے، ابھی سہی۔'' انھوں نے آخری بھسوا لگا کر گھر کا رخ کیا اور بولے۔ ''میں منٹ بھر میں تیار ہو کے آتا ہوں۔''

''رہنے دو جو۔'' شین نے ملامت سے کہا۔ مگر ابا سن کر چلتے چلتے ٹھٹک گئے۔ ''میں نے کہا میں خود ہی لے جاؤں گا۔''

ابا نے اُس کی طرف گھوم کر کہا۔ ''واہ، اچھی کہی! تم سمجھتے ہو میں تم کو اکیلا ہی جانے دوں گا؟ اور جو کہیں وہ '' مگر وہ بات چبا گئے۔ پھر اپنا ہاتھ منہ پر آہستہ سے پھیرتے ہوئے وہ الفاظ کہے جو اس سے پہلے کسی سے نہ کہے تھے۔ ''معاف کرنا،'' انھوں نے کہا۔ ''مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہیے تھا۔'' وہ پیچھے کھڑے دیکھتے رہے اور شین باگ سنبھال گاڑی بان کی گدی پر جا بیٹھا۔

مجھے ڈر تھا کہ ابا مجھے روک لیں گے اس لیے میں شین کے گلی سے نکلنے تک ٹھہرا رہا۔ پھر کھلیان کے پیچھے سے جا کر اور مویشیوں کے گھیرے کے برے سے گھوم کر چلتی گاڑی میں چڑھ گیا۔ عین اُسی وقت میں نے اُس گوالے کو دریا کے پار گھوڑا ابھرا کر اپنی چراگاہ کے رہائشی مکان کی طرف ہوتے دیکھا۔

شین نے بھی دیکھا اور اس طرح جیسے بڑی پُر لطف بات تھی۔ اُس نے ذرا جھک کر مجھے سہارا دیا اور اپنے برابر بٹھا لیا۔

''تم سٹیریٹ لوگ آئی بلا میں پھنسنے کو بہت تیار رہتے ہو۔'' پہلے تو میں سمجھا کہ وہ مجھے واپس بھیج دے گا مگر اس کے برخلاف وہ مجھے دیکھ کر ہنسا اور بولا۔ ''میں تمھیں بستی سے ایک چاقو لے دوں گا۔''

اُس نے لے بھی دیا۔ خاصا بانکا، بڑا سا دو دھاری چاقو جس میں ایک پیچ کش بھی لگا ہوا تھا۔ ہم نے سنسنی لوہار کے پاس چھوڑی اور معلوم ہوا کہ پہال لگانے میں ایک گھنٹہ لگے گا۔ میں گرافٹن کی بلڈنگ کے سامنے لمبی سی چوڑی دہلیز کی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ شین نے سیلون میں

جا کر کچھ پینے کو مانگا۔ ول اسٹک، گرافٹن کا دبلا، بجھے بجھے چہرے کا کلرک اور آبدار خانے کا نگران، بار کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور کئی دوسرے آدمی ایک میز کے گرد بیٹھے خوش وقتی میں مصروف تھے۔

چند ہی لمحوں میں دو گھوڑے والے سڑک پر گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئے۔ کوئی پچاس گز پر سے انھوں نے رفتار دھیمی کر لی اور آہستہ آہستہ گرافٹن کی عمارت کی طرف بڑھتے رہے جیسے کوئی بات نہیں۔ پھر گھوڑوں سے اُتر کر انھیں سامنے والے جنگلے کے ساتھ باندھ دیں۔ اُن میں سے ایک کو میں نے اکثر دیکھا تھا: ایک نوعمر سا آدمی جسے سب کرِس کہتے تھے: وہ کئی برس سے فلیچر کے ہاں کام کرتا تھا اور بڑا ہنس مکھ اور دلیر سمجھا جاتا تھا۔ دوسرے کو میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ معلوم ہوتا تھا اُس نے اپنی زندگی میں بہت جوکھوں بھری ہے۔ وہ اُن نئے آدمیوں میں سے ہوگا جنھیں فلیچر ٹھیکہ ملنے کے بعد سے وادی میں لا لا کر اکٹھا کر رہا تھا۔ انھوں نے میری طرف کوئی دھیان نہ دیا اور آہستہ سے پیش دہلیز پر سے سیلون کی کھڑکی تک پہنچ گئے۔ اندر جھانک کر کرِس نے سر ہلایا اور گردن سے اندر کی طرف اشارہ کیا۔ نیا آدمی تن گیا۔ اُس نے جھک کر اندر کی طرف ایک بار پھر اچھی طرح دیکھا۔ پھر ایک دم پلٹ کر میرے پاس سے ہوتا ہوا گھوڑے تک گیا۔

کرِس حیران رہ گیا اور اُس کے پیچھے دوڑا۔ وہ دونوں ایسے اپنی دھن میں تھے کہ مجھے بھی نہ دیکھ سکے۔ نیا آدمی لگام اٹھا ہی رہا تھا کہ کرِس نے اُس کا بازو تھام لیا۔

''تم کو ہوا کیا؟''

''میں جا رہا ہوں۔''

''ہوں۔ کیا مطلب؟''

''میں اب جا رہا ہوں۔ ہمیشہ کے لیے!''

''ارے او، سُن۔ تو جانتا ہے اس کو؟''

''میں نے یہ کب کہا کہ میں اس کو جانتا ہوں؟ کون کہتا ہے کہ میں نے یہ کہا؟ بس میں

جا رہا ہوں اور کچھ نہیں۔ تم فلیچر سے کہہ دینا۔ یہ ویسے بھی بڑی ذلیل جگہ ہے۔''

''اچھا۔ مجھے پتہ نہیں تھا۔'' کرس نے کہا۔ ''ڈر گیا۔ بھگوڑا ہے نا؟''

نئے آدمی کا سانولا چہرہ تمتما اٹھا۔ مگر وہ اچک کر گھوڑے پر چڑھ بیٹھا اور سڑک پر روانہ ہوگیا۔ بستی سے دور، وادی سے بھی دور۔

○

کرس جنگلے کے پاس مبہوت کھڑا تھا اور حیرت سے سر ہلا رہا تھا۔ ''اچھا۔'' اُس نے منہ ہی منہ میں کہا۔ ''میں خود ہی اس سے نمٹ لوں گا۔'' وہ لمبے لمبے قدم رکھتا پیش دہلیز سے گزر کر سیلون میں پہنچ گیا۔ میں دوڑ کر دونوں بڑے کمروں کے درمیان والی جگہ میں پہنچا جہاں سٹور تھا، اور گھستے ہی ایک بکس پر چڑھ بیٹھا جہاں سے سب کچھ سن سکتا تھا اور کمرے کا بیشتر حصہ نظر آتا تھا۔ بکس لمبا بھی تھا اور کافی چکلا بھی۔ بار دروازے کے پاس سے لے کر اندرونی دیوار کے ساتھ ساتھ قوس کی شکل میں پشت کی دیوار تک چلا گیا تھا جس کے پیچھے گرافٹن کے دفتر کا کمرہ تھا۔ سامنے کے رخ برابر برابر کئی کھڑکیاں تھیں مگر اتنی اونچی کہ کوئی باہر سے جھانک نہ سکتا تھا۔ پیچھے ایک چھوٹا سا زینہ تھا جو پشت کی جانب بالکنی کو جاتا تھا اور اُس میں کئی چھوٹے چھوٹے کمروں کے دروازے کھلتے تھے۔

شیین ایک ہاتھ بار کے کٹہرے پر رکھے اطمینان سے بیٹھا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں گلاس تھا۔ کرس نے کوئی چھ فٹ پرے سے وہسکی کی بوتل اور گلاس طلب کیا۔ اُس نے ایسا ظاہر کیا جیسے شیین کو دیکھا ہی نہیں، اور میز پر بیٹھے ہوئے آدمیوں کو سر کے اشارے سے سلام کیا۔ یہ خچروں کی کھالیں بنانے والے لوگ تھے جو گرافٹن اور دوسرے دوکانداروں کے لیے مال لے کر آیا کرتے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ جب کرس نے شیین کو اپنے مخصوص اطمینان کے انداز میں بیٹھا ہوا دیکھا تو اُسے مایوسی ہوئی۔

کرس وہسکی کے آنے کا انتظار کرتا رہا اور جب بوتل آگئی تو اُس نے گلاس بھر کر ایک لمبا گھونٹ چڑھایا۔ اس کے بعد شیین کی طرف اس طرح دیکھا جیسے ابھی نظر پڑا ہے۔

''اوہو۔ میاں کاشتکار!'' اُس نے اس طرح پکارا جیسے کاشتکاروں کو بہت حقیر سمجھتا ہے۔

شمین اُس کو غور سے دیکھتا رہا۔ ''مجھ سے کہہ رہے ہو؟'' اُس نے آہستہ آہستہ سے پوچھا اور اپنا گلاس خالی کر دیا۔

''یہاں اور کون کھڑا ہے؟ لو یہ پیو۔'' کرس نے بار کے تختے پر سے ایک بوتل لڑھکائی۔ شمین نے گلاس اچھی طرح سے بھر کر منہ سے لگانے کو اُٹھایا۔

''ایلو حد ہوگئی۔'' کرس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ ''اچھا تو تم وسکی پی رہے ہو؟''

شمین نے باقی شراب اپنے گلاس میں سے پھینک دی۔ ''میں نے اس سے بھی بہتر پی ہے۔'' اُس نے بڑی ملائمت سے کہا۔ ''مگر بس یہی کافی ہے۔''

کرس نے اپنے زانو پر زور سے ہاتھ مارا اور دوسرے آدمیوں کو شریک کرنے کے لیے بولا۔ ''تم نے سنا! یہ کسان وسکی پیتا ہے۔ مجھے خبر نہ تھی کہ یہ ہل دھکیلنے والے اور کوڑا کرکٹ سمیٹنے والے، سوائے سوڈا واٹر کی بوتل کے اور کچھ بھی پیتے ہوں گے۔''

''ہم میں سے بعضے بعضے پی لیتے ہیں۔'' شمین نے اُسی طرح دوستانہ گرما گرمی سے جواب دیا۔ پھر دوستانہ پن ایک دم سے غائب ہو گیا اور اُس کی آواز پالے کی طرح سرد ہو کر رہ گئی۔ ''خیر۔ تم نے مذاق کر لیا۔ بڑا ہی بچکانہ مذاق تھا۔ اب گھر دوڑ جاؤ اور فلچر سے کہو کہ اب کے کسی بڑے آدمی کو بھیجے۔''

پھر وہ مڑ گیا اور ول اسلکے سے بڑی میٹھی آواز میں پوچھا۔ ''تمھارے پاس کوئی سوڈے کی بوتل ہے؟ ایک مجھے چاہیے۔'' ول ذرا جھجکا۔ ذرا مذاق کا سا چہرہ بنایا اور میرے برابر سے گزر کر گودام میں چلا گیا۔ واپس آیا تو اُس کے ہاتھ میں سوڈے کی ایک بوتل تھی جو گرافٹن ہم سکول کے بچوں کے لیے رکھا کرتا تھا۔

کرس خاموش کھڑا تھا۔ زیادہ طیش میں نہیں تھا بلکہ گومگو کے عالم میں، گویا کوئی پیچیدہ بازی کھیلی جارہی ہے اور اُس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اگلی چال کیا ہو۔ وہ تھوڑی دیر اپنا نچلا

ہونٹ چباتا رہا۔ پھر منہ بند کر لیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور ناک چڑھا کر زور زور سے سانس لینے لگا جیسے کچھ سونگھ رہا ہو۔

''ارے ول۔'' اُس نے کہا۔ ''یہاں کیا ہوتا رہا ہے؟ بڑی بدبو آ رہی ہے۔ یہ صاف ستھرے گوالوں کی بدبو نہیں، گندے غلیظ کھیتوں کھلیانوں کی بو ہے۔'' اُس نے شین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ارے کسان، تو اور تیرا اسٹیریٹ کیا پال رہے ہیں؟ سور؟''

شین بوتل کو سنبھال ہی رہا تھا جو ول لے کر آیا تھا۔ اُس نے زور سے بوتل کو مٹھی میں بھینچ لیا اور اُس کی انگلیوں کے جوڑ سفید پڑ گئے۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا کرس کے سامنے پہنچا۔ اُس کا بند بند کھنچے ہوئے چابک کی طرف تنا ہوا، جاندار اور ایک شدید جذبے کے اثر سے بے تاب معلوم ہوتا تھا۔ پھر وہی بے پناہ قوت اُس کے جسم میں سمٹ آئی تھی، رگ رگ میں بھری ہوئی تھی اور آنکھوں میں دہک رہی تھی۔ اُس لمحے اُس کی نظر کے سامنے سوائے اُس چنچلے آدمی کے کچھ نہ تھا جو چند فٹ پرے کھڑا تھا۔

اتنا بڑا کمرہ ایسا ساکت تھا کہ خاموشی تکلیف دہ ہوگئی تھی۔ کرس بلا ارادہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر ایک قدم اور۔ اور پھر سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ مگر ہوا کچھ بھی نہیں۔ بس شین کے جبڑوں پر سوکھی سی مچھلیاں تن کر چتری ہوگئی تھیں۔ پھر اُس کا رُکا ہوا سانس ہلکی سی پھنکار کے ساتھ باہر نکلا۔ اُس نے کرس پر سے نظریں ہٹا لیں اور کمانی دار کواڑوں کے اوپر سے باہر کی طرف دیکھنے لگا، پھر سڑک کے اُس پار سائبان کی چھت پر، پھر اور دور جہاں پہاڑوں کا سلسلہ اپنی مسلسل تنہائی کو لیے کھڑا تھا۔ وہ چپکا چل کھڑا ہوا۔ اُسے جیسے بھول ہی گیا کہ اُس کے ہاتھ میں بوتل بھی ہے۔ وہ کرس کے بالکل پاس سے، اُس سے تقریباً چھوتا ہوا دروازے سے نکل گیا مگر بظاہر اُس نے اُس کو دیکھا ہی نہیں۔

میں نے اپنے قریب کسی کو اطمینان کا گہرا سانس لیتے ہوئے سنا۔ یہ مسٹر گرافٹن تھے جو کہیں سے نکل کر میرے پیچھے آ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ کرس کی طرف دیکھ کر بڑے طنز آمیز انداز میں مسکرا رہے تھے۔ کرس کھسیانا سا ہو گیا تھا مگر اکڑتا ہوا دروازے کے پاس جا کر باہر

جھانکنے لگا۔

''تم نے دیکھا ول؟'' اُس نے گردن موڑ کر کہا۔ ''بھاگ گیا میرے سامنے سے۔''

اُس نے اپنی ہیٹ اونچی کی۔ ایڑیوں پر چلتا ہوا واپس پلٹا اور قہقہہ لگایا۔ ''اور ایک سوڈے کی بوتل بھی لے گیا۔'' باہر پہنچ کر بھی وہ ہنستا ہی رہا اور ہمیں اُس کے گھوڑے پر بیٹھ کر جانے کی آواز سنائی دی۔

''یہ لڑکا احمق ہے۔'' مسٹر گرافٹن نے کہا۔

ول اینکے گھوم کر گرافٹن کی طرف آیا۔ ''مجھے قطعی خبر نہیں تھی کہ شین اس طرح کنی کاٹ جائے گا۔'' وہ بولا۔

''ول، وہ ڈرتا تھا۔''

''جی ہاں! یہی تو تعجب ہے۔ مجھے تو لگتا تھا کہ وہ کرس کو دبا لے گا۔''

مسٹر گرافٹن نے ول کی طرف اس طرح دیکھا جیسے اکثر دیکھتے تھے، یعنی تیری اس عقل پہ افسوس ہے۔ ''نہیں ول، وہ کرس سے نہیں ڈرا۔ وہ اپنے آپ سے ڈرتا تھا۔''

مسٹر گرافٹن کچھ سوچ میں تھے اور شاید رنجیدہ بھی۔ ''فساد ہو کر رہے گا ول۔ جو اب تک نہیں ہوا وہ اب ہو کر رہے گا۔'' اُنھوں نے مجھے دیکھا اور ذرا سے چونکے۔ ''باب! جلدی سے دوڑ جاؤ اپنے دوست کے پیچھے۔ تم سمجھے وہ بوتل اُس نے اپنے لیے لی ہے؟''

○

بات ٹھیک تھی۔ شین بوتل لیے لوہار کی دوکان پر میرا انتظار کر رہا تھا۔ چیری کی بوتل تھی جو مجھے سب سے زیادہ پسند تھی۔ مگر مجھے زیادہ مزہ نہ آیا۔ شین خاموش اور خشمناک چہرہ لیے بیٹھا تھا۔ اُس پر پھر وہی بھوت سوار ہو گیا جیسا میں نے اُس وقت دیکھا جب وہ پہلی بار ہمارے ہاں آیا تھا۔ مجھ میں کچھ بولنے کی ہمت نہ تھی۔ اُس نے صرف ایک ہی دفعہ مجھ سے بات کی۔ وہ بھی اس طرح کہ نہ میرے سمجھنے کے لیے تھی نہ جواب دینے کے لیے۔

''جانے دو۔ کسی جانباز کو اس لیے کیوں ناحق مارو کہ وہ ہمت کر کے صرف کسی کے حکم

پر چل رہا ہے۔ دنیا میں ذات بہت نیچنی پڑتی ہے۔ یا پ، وہ لڑکا اتنا برا نہیں۔'' پھر وہ دوبارہ اپنے خیال میں غرق ہو گیا اور اُس وقت تک غرق رہا کہ ہم نے سفی گاڑی میں لدوائی اور گھر کی طرف چلے۔ پھر گھر جتنا نزدیک آتا گیا وہ زیادہ ہشاش ہوتا گیا۔ جب تک کھلیان کی طرف سے مڑے وہ پھر ویسا ہی ہو گیا تھا جیسا کہ میں اُس کو دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ میری طرف آنکھیں مچکا مچکا کے انڈین لوگوں کا ذکر کرتا رہا کہ جیسے میں اپنے چاقو سے بہت سوں کی کھال اُتار لوں گا۔

ابا کھلیان میں سے ایک دم اس طرح نکلے کہ ظاہر تھا وہ ہماری واپسی کا کتنی بے چینی سے انتظار کر رہے ہوں گے۔ اُن کے دل میں دھکڑ پکڑ تو بہت تھی مگر انھوں نے شین سے صاف صاف کوئی سوال نہیں پوچھا بلکہ مجھ سے بولے۔

''گوالوں میں کا کوئی سورما تو نظر نہیں پڑا بستی میں؟''

شین نے سوال مجھ سے خود ہی لپک لیا۔ ''فلیچر کی ٹولی کا ایک آدمی پیچھا کر کے ہمارے پاس پہنچ گیا تھا، ذرا بندگی عرض کرنے کے لیے۔''

''نہیں!'' میں بھی اپنی معلومات پر بغلیں بجاتے ہوئے بولا۔ ''ایک نہیں، دو تھے۔''

''دو؟'' شین نے کہا۔ ابا کو کوئی تعجب نہ ہوا۔ ''وہ دوسرا کیا کر رہا تھا؟''

''وہ پیش دہلیز پر سے اوپر چڑھا اور کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا جہاں تم بیٹھے تھے۔ پھر سیدھا پلٹ آیا اور گھوڑے پر چڑھ کے یہ جا وہ جا۔'' میں نے شین سے کہا۔

''واپس چراگاہ کو؟''

''نہیں دوسری طرف۔ کہتا تھا بس اب میں گیا۔''

ابا اور شین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ابا مسکرا رہے تھے۔ ''ایک بھاگ لیا اور تم کو پتہ بھی نہیں۔ دوسرے کا کیا کیا؟''

''کچھ نہیں۔ اُس نے کاشتکاروں پر کچھ پھبتیاں کہیں۔ میں پھر واپس لوہار کی دوکان پر چلا گیا۔''

ابا نے یہی بات دوہرائی، ایک ایک لفظ کر کے۔ گویا اس میں کچھ معنی پوشیدہ ہیں جو وہ سمجھنا چاہتے ہیں۔ ''تم واپس لوہار کی دکان پر چلے گئے۔''

مجھے خلش ہوئی کہ کہیں یہ بھی وہی نہ سمجھیں جو ول اینکے نے سمجھا تھا۔ مگر پھر مجھے محسوس ہو گیا کہ اس قسم کی کوئی بات اُن کے دماغ میں نہیں تھی۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا۔ ''کون تھا یہ آدمی؟''

''کرس تھا۔''

ابا پھر مسکرائے۔ وہ وہاں نہیں تھے مگر انھوں نے پورا واقعہ سمجھ لیا تھا۔ ''فلیچر نے سمجھداری سے کام لے کر دو کو بھیجا تھا۔ کرس جیسے لونڈے کسی جوڑی دار سے مل کر ہی کام کر سکتے تھے ورنہ پٹ جاتے۔'' وہ ذرا مسکرائے۔ ''کرس کو بڑا تعجب ہوا ہوگا کہ دوسرا کیوں بھاگ کھڑا ہوا۔ اور اس سے زیادہ اس پر کہ تم کیوں چل دیے۔ یہ تو برا ہوا کہ دوسرا نہ ٹھہرا۔''

''ہاں!'' شمین نے کہا۔ ''بہت برا ہوا۔''

اُس نے جس طرح یہ کہا اُس کو سن کر ابا کا لہجہ دھیما ہو گیا۔ ''میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ کرس شیخی خورا بہت ہے اور ہو سکتا ہے کہ غلط سمجھ بیٹھے۔ اس کا نتیجہ بہت برا ہو سکتا ہے۔''

''ہاں!'' شمین نے پھر وہی کہا۔ ''ہو سکتا ہے۔''

باب - ۷

تھا بھی یونہی جیسا کہ ابا اور شمین نے کہا تھا۔ کریس نے جو بڑ ہانکی وہ دوسرے دن شام ہوتے ہوتے ساری وادی میں پھیل چکی تھی۔ اور جتنی پھیلی اتنی ہی لمبی چوڑی ہوتی گئی۔ فلیچر کی اس میں بڑی جیت ہوئی اور اس نے قدم اور آگے بڑھانا چاہا۔ وہ اور اس کا داروغہ مورگن، چوڑا چکلا، تختہ سا آدمی جس کا چہرہ چپٹا، سر نپٹ چھوٹا اور شانے پھیلے ہوئے تھے، اس قسم کی لاگ ڈانٹ کی چالوں میں بڑے تیز تھے۔ اور اپنے آدمیوں کو تیار رکھتے کہ جب موقع ہو ہم سے نوک جھوک کرتے رہیں۔

وہ اپرلی رائٹ والے ٹھکانے کے اوپر والا پایاب گھاٹ استعمال کرتے تھے اور بستی کو جانے کے بہانے ہر وقت ہمارے پاس سے گھوڑے پر سوار گزرتے رہتے تھے، یو قدمی رفتار سے۔ ہر چیز کو غور سے تاکتے جاتے اور ہمیں سنانے کو فقرے بھی کستے جاتے۔

اسی ہفتے میں شاید تیسرے دن ان کی ایک ٹولی ادھر سے گھوڑوں پر گزری۔ اس وقت ابا مویشیوں کے گھیرے کے نئے دروازے کے لیے نیا قبضہ جڑ رہے تھے۔ انھوں نے بناوٹ سے یہ ظاہر کیا جیسے ہماری پرے کی زمین دیکھنے میں ایسے منہمک ہیں کہ قریب ہی ان کو کام کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکے۔

''نہ جانے یہ سٹیریٹ سور کہاں باندھتا ہے۔ ایک بھی دکھائی نہیں دیتا۔''

''مگر بو تو آتی ہے!'' دوسرا چلایا۔ اس کے ساتھ ہی وہ سب قہقہہ مار کر ہنس پڑے اور بولتے بکارتے رہے۔ گھوڑوں کے سموں سے بہت سی خاک اڑائی اور جب دفع ہوئے تو ابا نے منہ بھینچ رکھا تھا۔

اس قسم کی توجہ بڑی مساوات کے ساتھ باری باری سبھی پر ہوتی رہتی تھی۔ جب کبھی موقع

مل جاتا راستے میں کسی نہ کسی گھر کے سامنے کچھ نہ کچھ بک جھک جاتے۔ مگر ابا آس پاس نظر آ جاتے تو اُن کو چڑانے اور جلانے میں یہ لوگ خاص مزا لیتے تھے۔

اُن کا مذاق بڑا بھونڈا اور بے تکا ہوتا تھا۔ مجھے تو یہ بات بڑی احمقانہ معلوم ہوتی تھی کہ بڑی عمر کے آدمی اور اس قسم کی حرکتیں کریں۔ مگر اُن کے یہ حربے خاصے کارگر تھے۔ شیبن پہاڑ کی طرح بھاری بھرکم اور بے پرواہ سن کر ٹال سکتا تھا۔ ابا تاؤ کھاتے مگر پی جاتے۔ دوسرے ملنے والے البتہ چوٹ کیے بغیر نہ رہ سکتے اور ظاہر بھی کر دیتے کہ بڑی ہتک محسوس کرتے ہیں۔ یہ باتیں اُن کے اعصاب کو جھنجھوڑ ڈالتیں اور وہ بہت کچھ پیچ و تاب کھاتے۔ وہ شیبن کو اتنی اچھی طرح نہیں جانتے تھے جتنا کہ ابا اور میں۔ اُن کو کچھ شک ضرور گزرتا تھا کہ شاید کریں کا کہنا تھوڑا بہت ٹھیک ہی ہو۔

حالات ایسے بگڑ گئے کہ وہ گرافٹن کے سٹور تک بھی جاتے تو کوئی نہ کوئی ''سوڈا واٹر'' کی آواز ضرور لگا دیتا: اور جہاں کہیں جاتے، بات کسی نہ کسی طرح سؤروں تک آ جاتی۔ صاف نظر آتا تھا کہ بستی کے وہ لوگ بھی جو الگ تھلگ رہتے تھے اور کسی کے لینے دینے میں نہ تھے، اب ہم لوگوں کو بیتا سمجھنے لگے ہیں۔

ان حالات کا اثر شیبن کے بارے میں ہمارے ہمسایوں کے رویے پر بھی نظر آتا تھا۔ وہ ابا سے ملنے آتے اور شیبن موجود ہوتا تو کھل کر بات نہ کرتے۔ انھیں یہ بات ناگوار گزرنے لگی تھی کہ اُس کا شمار اُن کے ساتھ ہوتا ہے، اور اس بنا پر ابا کی طرف سے بھی اُن کی رائے بدلتی جا رہی تھی۔

یہی بات تھی جس نے شیبن کو زیادہ متاثر کیا۔ اُسے اس کی پروا نہ تھی کہ کوئی اُس کے حق میں کیا کہتا ہے۔ کریں سے اُس روز کے آمنے سامنے کے بعد اُس کو ایک طرح کی اندرونی طمانیت حاصل ہو گئی تھی۔ وہ اب بھی ویسا ہی چوکنا اور محتاط تھا مگر اب اُس کے انداز میں ایک سکونِ خاطر پایا جاتا تھا اور وہ پہلے جیسی گھٹی گھٹی سی کیفیت بالکل رفع ہو گئی۔ میرے خیال میں اُسے بالکل پروا نہ تھی کہ کس نے کس موقع پر اُس کی بابت کیا کہا سوائے ہم لوگوں کے، جو اُس

کے اپنے آدمی تھے۔ وہ جانتا تھا کہ ہمارا اُس کا معاملہ ایک ہی ہے، اور یہ تعلق کبھی بدل نہیں سکتا۔

البتہ اُسے اس کا ضرور خیال تھا کہ ابا کے بارے میں کیا سمجھا جاتا ہے۔ جس رات ایرنی رائٹ اور ہنری شپ سٹیڈ باورچی خانے میں ابا سے بحث مباحثہ کر رہے تھے، وہ پیش دہلیز میں کھڑا تھا۔

''میں اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتا۔'' ایرنی رائٹ نے کہا۔ ''تم کو معلوم ہے ان موذی گوالوں سے میرا کتنا جھگڑا ہو چکا ہے جنھوں نے میری باڑھ کاٹ کے رکھ دی۔ آج اُن میں سے دو باڑھ کی مرمت میں میرا ہاتھ بٹانے آئے تھے۔ ہاتھ کیا بٹاتے، اُن کم بختوں کا ستیاناس ہو جائے، دیکھتے رہے دیکھتے رہے، اور جب کام ختم ہو گیا تو بولے کہ فلچر یہ نہیں چاہتا کہ تمھارے سور بھٹکے پھرا کریں اور اُس کے مویشیوں میں جا کر مل جائیں۔ میرے سور! بھلا دیکھو تو، اس پوری وادی میں کہیں سور کا نام نشان نہیں۔ اور اس بات کو وہ بھی خوب جانتے ہیں۔ میں اس نام کو سنتے سنتے تنگ آ چکا ہوں۔''

ابا کا مسکرانا اور بھی غضب ہو گیا۔ بڑی روکھی بے لطف مسکراہٹ تھی، مگر تھی تو مسکراہٹ۔ ''یہ مورگن کی اُپج معلوم ہوتی ہے۔ وہ بڑا تیز واقع ہوا ہے۔ کمینہ ہے مگر......''

ہنری شپ سٹیڈ نے انھیں بات پوری نہ کرنے دی۔ ''یہ کوئی ہنسی کی بات نہیں ہے جو، چہ جائیکہ تم ہنسو۔ بھلے آدمی، مجھے تو اب تمھاری رائے کا بھی اعتبار نہیں رہا۔ ہم میں سے کوئی بھی یہاں سر اونچا کر کے نہیں چل پھر سکتا۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی، میں گرافٹن کی دوکان پر تھا۔ وہاں کرس بیٹھا تمھارے شین کے بارے میں بکار رہا تھا کہ بے چارہ بڑا پیاسا ہوگا، ادھر کچھ دن سے ڈر کے مارے سوڈے کی بوتل پینے نہیں آیا۔''

اب وہ دونوں مل کر ابا کے لتے لینے گے۔ وہ بے چارے چپ بیٹھے سنتے رہے۔ اُن کا چہرا بڑا اداس ہو رہا تھا۔

''تم کوئی بات نہیں بنا سکتے جو۔'' اب کے رائٹ بولا۔ ''یہ سب تمھارے آدمی کا قصور

ہے۔ تم ساری رات بیٹھے صفائی پیش کرتے رہو مگر بات اپنی جگہ سے ٹل نہیں سکتی۔ کرس نے اُسے للکارا اور وہ کنّی کاٹ کے چل دیا، اور ہمیں ان موذی سوروں سے سُلجھنے کو چھوڑ گیا۔''

''یہ تو ہم بھی جانتے ہیں اور تم بھی کہ فلیچر کا منشا ہے کیا!'' ہنری ٹپ سٹیڈ غرایا۔ ''وہ ہمیں ستائے جائے گا۔ یہاں تک کہ ہم میں سے کوئی عاجز آ کر کسی ایک آدھ کے ساتھ اُلجھ پڑے اور چل جائے۔ اور پھر وہ خود آ جائے نبٹنے کے لیے۔''

''چل جائے یا نہ چل جائے۔'' ایرنی رائٹ نے کہا۔ ''میں تو اب بہت بھگت چکا۔ اب کے اُن میں سے کسی.....''

ابّا نے ہاتھ اُٹھا کر اُنھیں خاموشی کا اشارہ کیا۔ ''سنو۔ یہ کیا آواز ہے؟''

یہ کوئی گھوڑا تھا جو ہماری پتلی سڑک پر سے بڑی سڑک پر سرپٹ دوڑا جا رہا تھا۔ ابّا ایک ہی جست میں دروازے پر پہنچ کر باہر جھانکنے لگے۔ دوسرے بھی اُن کے پیچھے گئے۔ ''شین؟'' اُن سب کی زبان سے نکلا۔

ابّا نے سر ہلایا۔ وہ کچھ منہ ہی منہ میں کہہ رہے تھے۔ میں نے اپنے چھوٹے کمرے کے دروازے میں سے دیکھا کہ اُن کی آنکھیں خوشی کے مارے چمک اُٹھی تھیں۔ وہ شین کو دھیمے دھیمے پے در پے برا بھلا کہہ رہے تھے، کوس رہے تھے۔ اپنی کرسی پر واپس آ کر وہ ان دونوں کی طرف دانت نکال کر مسکرائے۔ ''دیکھا تم نے شین کو؟'' اُنھوں نے اُن سے کہا، اور ان لفظوں میں کچھ اور معنی بھی تھے۔ ''اب ہم یہی کر سکتے ہیں کہ بیٹھ کر انتظار کریں۔''

وہ سب کے سب خاموش انتظار میں بیٹھے رہے۔ اماں اپنا سینا پرونا چھوڑ کر سونے کے کمرے سے نکلیں جہاں حسبِ عادت وہ سب کچھ سُن رہی تھیں، اور باورچی خانے میں ایک کافی دان بھر کے گرم گرم کافی بنائی۔ وہ سب انتظار میں بیٹھے گرم گرم کافی کی چسکیاں لیتے رہے۔

شاید کوئی بیس منٹ گزرے ہوں گے کہ ہمیں پھر گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی۔ وہ بڑا تیز تیز آ رہا تھا اور رفتار دھیمی کیے بغیر ہی اپنے پیروں پر پلٹ کر ہماری پتلی سڑک پر مڑ گیا۔ پیش

دہلیز میں تیز تیز قدموں کی آہٹ ہوئی اور شیمن دروازے میں آ کھڑا ہوا۔ اُس کا دم پھول رہا تھا اور چہرہ درشت تھا۔ اُس کا منہ سپاٹ بے رنگ چہرے پر ایک باریک خط کی طرح نظر آتا تھا اور آنکھیں بڑی تاریک اور خشمگیں تھیں۔ اُس نے شپ سٹیڈ اور رائٹ کی طرف دیکھا، اور اُس بیزاری کو چھپانے کی کوشش نہ کی جو اُس کی آواز سے ظاہر ہو رہی تھی۔

''تمھارے سؤروں کو مار کے دفنا دیا گیا۔''

اُس کی نظر ابّا کی طرف گئی تو ذرا چہرے کی خشونت کم ہوگئی۔ مگر آواز میں ابھی تک تلخی تھی۔ ''ایک اور کو چپکا کر دیا گیا۔ کرِس بہت دن کسی سے کچھ نہیں کہے گا۔'' وہ پلٹ کر چل دیا۔ پھر ہم نے گھوڑے کو کھلیان کی طرف لے جانے کی آہٹ سنی۔

پھر خاموشی ہوئی تو دور گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز گونجتی ہوئی سنائی دی اور لحہ بہ لحہ تیز ہوتی گئی۔ ایک اور گھوڑا دوڑتا ہوا سیدھا ہماری گلی میں آیا اور رک گیا۔ ایڈ باولز ہماری پیش دہلیز پر سے جست کر کے اندر آیا۔

''شیمن کہاں ہے؟''

''باہر، کھلیان میں۔'' ابّا نے جواب دیا۔

''اُس نے تمھیں بتایا نہیں کہ کیا گزری؟''

''کچھ زیادہ تو نہیں بتلایا۔'' ابّا نے دھیمے سے کہا۔ ''کچھ سؤروں کے دفنانے کے بارے میں کہتا تھا۔''

ایڈ باولز ایک کرسی پر ڈھے سا گیا۔ اُس کے ہوش گم معلوم ہوتے تھے۔ الفاظ اُس کے منہ سے اوّل اوّل بڑے آہستہ آہستہ نکلے۔ وہ جتانا چاہتا تھا کہ اُس کی کیفیت اس وقت کیا ہے۔ ''جو کچھ آج دیکھا، وہ تو کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔'' اُس نے کہا۔ اور پھر سارا واقعہ سنایا۔

وہ گرافٹن کے سٹور سے ایک آدھ چیز خریدنے گیا تھا۔ سیلون میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا کیونکہ کرِس اور ایک اور گوالا ریڈ مارلن، فلیچر کے گرگے، شام کے وقت اپنا پوکر کا کھیل جمانے والے تھے مگر اُس نے محسوس کیا کہ اُس جگہ تو سناٹا چھایا ہوا ہے۔ اور وہ بے پاؤں جا کر

جھانکا تو دیکھا کہ وہاں شین بھی ہے اور بار کی طرف جا رہا ہے، چُپکا سا، اپنی دھن میں مگن، جیسے کمرے میں اُس کے سوا کوئی تھا ہی نہیں۔ کرس یا ریڈ مارٹن کی زبان بالکل نہ چلنے پائی حالانکہ یہ اُن کی فقرہ بازی کے لیے بڑا اچھا موقع تھا۔ اس گم صم کا سبب جاننے کے لیے شین پر ایک نظر ڈالنا ہی کافی تھا۔ وہ بڑا ٹھنڈا، خاموش اور بالکل ٹھیک ٹھاک تھا مگر اُس کی ہر جنبش میں ایک ایسا انوکھا سا سبک پن اور پھرتی سی تھی کہ ہر دیکھنے والا خود بخود محسوس کرتا کہ اُس کے سامنے چُپکا ہی رہنا بھلا ہے۔ غور کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

''دو میٹھی بوتلیں۔'' اُس نے ول ایکلے سے پکار کر کہا۔ اتنے ول بوتلیں نکالے وہ بار کے جنگلے سے کمر لگائے پوکر کے کھیل کو بڑی دلچسپی اور خندہ پیشانی سے دیکھتا رہا جیسے کوئی بات نہیں۔ سب دم سادھے بیٹھے رہے۔ کسی مائی کے لال کو پہلو بدلنے کی بھی ہمت نہ پڑی۔ ہاں نظریں اُسی کی طرف رہیں کہ جانے کیا گل کھلانے والا ہے۔ دونوں بوتلیں لے کر وہ میز کی طرف آیا اور ایک کرس کے آگے بڑھا دی۔

''پچھلی بار میں یہاں آیا تھا تو تم نے میرے لیے ایک سوڈے کی بوتل خریدی تھی۔ اب کے میری باری ہے۔''

یہ الفاظ اُس خاموشی میں بڑی دیر تک گونجا کیے۔ کوئی اور آواز ہی نہ آئی۔ ایڈ ہاولز سچ مچ یہی سمجھا کہ شین کرس کی تواضع کا بدلہ اُتار رہا ہے اور چاہتا ہے کہ کرس مسکرا کر بوتل لے لے اور ساتھ مل کر پیے۔

خاموشی ایسی چھائی تھی کہ چیونٹی کے رینگنے کی آواز بھی سنائی دے جاتی۔ کرس نے پتے سنبھال کر ہاتھ سے رکھ دیے اور ہاتھ بوتل کی طرف بڑھایا۔ معاً اُس نے بوتل اُٹھائی اور میز کے اوپر سے شین کی طرف دے ماری۔

شین نے ایسی پھرتی دکھائی، ہاولز نے بتایا، کہ بوتل ہوا ہی میں تھی اور وہ طرح دے کے بچ بھی چکا تھا، اُچک کر کرس کا گریبان بھی پکڑ چکا تھا اور اُسے کرسی پر سے اچھال کے میز پر کھینچ لایا تھا۔ جب کرس نے قدم نکالنے کے لیے ہاتھ پاؤں چلائے تو شین نے گریبان

چھوڑ کر تین طمانچے تڑاق پڑاق اُس کے منہ پر اس تیزی سے لگائے کہ نگاہ نہ جم سکی۔ فقط اُن کی آواز پستول کے تڑاقوں کی طرح گونج کر رہ گئی۔

شمین پیچھے ہٹا اور کرِس نے سنبھلتے ہوئے اپنے سر کو ایک دو بار جنبش دی جیسے حواس بجا کر رہا ہو۔ وہ لڑائی کے مرغے کی طرح جھلایا ہوا کے تان کر یکبارگی پھر جھپٹا۔ شمین نے اُسے آنے دیا اور اُس کے بازوؤں کے وار کو ٹالتا ہوا جھپک کے اُس کی کولی میں گھس آیا اور پیٹ میں ایک زور کی لات جڑ دی۔ کرِس نے ہانپتے ہوئے گردن جھکائی تو شمین نے اپنا دایاں بازو تان کے ایک کھلے ہاتھ کا تپڑ اُس کے منہ پر ایسا دیا کہ گردن پیچھے ڈھلک گئی اور ناک اور آنکھوں تک کو رگڑ کے رکھ دیا۔

اس بھرپور ضرب سے کرِس کے قدم ڈگمگائے۔ اُس کے بھینچے ہوئے ہونٹوں پر ناک سے خون بہہ کر آ رہا تھا۔ آنکھیں سرخ اور ڈبڈبائی ہوئی تھیں اور نظر چندھیا گئی تھی۔ اُس کا چہرہ (ایڈ ہاولز نے بتایا) تو یہ تو یہ ایسا نظر آتا تھا جیسے گھوڑے کے سم سے کچلا گیا ہو۔ مگر اُس نے بل کھا کے ایک جھپٹ اور کی۔

شمین نے اچانک دبک کر وار خالی دیا اور اُس کے اُٹھے ہوئے ہاتھ کی کلائی کو اچانک لپک کے، بازو کو بل دے کر جکڑ دیا کہ مڑ نہ سکے، اور مونڈھا بغل سے آن لگا۔ پھر کلائی کو جھٹکے پہ جھٹکے دیتا رہا۔ کرِس دوہرا ہو کر رہ گیا۔ گرتے گرتے بھی اُس کا بازو شمین کے ہاتھ میں رہا۔ اُسے اُس نے اچھی طرح جھنجھوڑا۔ سارے دھڑ کو بازو ہی کے سہارے لٹکائے رکھا۔ اور جب پٹکا ہے تو ہڈیاں بیچ بیچ کڑکڑا اٹھی تھیں۔

کرِس نے بسورتے ہوئے ایک لمبی سی ہائے کی جو تھوڑی گونجی مگر پھر کمرے میں کوئی اور آواز سنائی نہ دی۔ شمین نے اُس بکھرے ہوئے جسم کی طرف نگاہ بھی نہ کی۔ وہ تنا ہوا کھڑا تھا، خوفناک، ساکت، خاموش۔ اُس کے جسم کا ایک ایک خط کہتا تھا کہ جی دار، ہوشیار اور مارنے مرنے کو تیار ہے۔ مگر وہ ساکت کھڑا تھا۔ صرف نظر گھوم کر میز کے گرد دوسرے چہروں کا جائزہ لیتی ہوئی ریڈ مارلن پر آ کر ٹھہری، اور ریڈ کرسی میں دبک کر رہ گیا۔

"شاید۔" شمین نے آہستہ سے کہا۔ اور اُس کی آواز کے آہستہ پن ہی سے ایڈ باورز لرز اُٹھا۔ "شاید تمھیں بھی کچھ کہنا ہے، سوڈا پینے اور سور پالنے کے بارے میں؟"

ریڈ مارلن دم سادھے بیٹھا رہا۔ اُس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے پھوٹ نکلے۔ وہ خوف زدہ نظر آتا تھا۔ شاید عمر میں پہلی دفعہ دوسرے بھی اُسے بھانپ گئے تھے اور وہ جانتا تھا کہ بھانپ گئے ہیں، مگر اُسے پروا نہ تھی۔ اور دوسرے بھی اُسے مورد الزام نہیں سمجھتے تھے۔

پھر اُن لوگوں کے دیکھتے دیکھتے شمین کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے آپ میں کھو جانا چاہتا ہے۔ وہ اُن سب سے غافل ہو کر کرس کی طرف مڑا جو زمین پر بے ہوش پڑا تھا، اور ایڈ باورز کے بیان کے مطابق، اُس کے چہرے پر ایک اداسی چھا گئی۔ اُس نے جھک کر اُس چت پڑے ہوئے جسم کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور ایک دوسری میز پر آہستہ سے لا کر لٹا دیا، اس طرح کہ پاؤں کنارے پر سے لٹکتے رہے۔ پھر بار کے جنگلے تک گیا اور جنگلہ صاف کرنے کا جھاڑن لے کر واپس میز کے پاس آیا۔ چہرے سے خون صاف کیا۔ شکستہ بازو کو آہستہ آہستہ چھو کر دیکھا۔ اور جو کچھ محسوس کیا اُس پر تاسف سے گردن ہلائی۔

اس دوران میں کوئی کچھ نہ بولا۔ ان میں سے کوئی بھی سال بھر کی اچھی خاصی کمائی سامنے رکھنے پر بھی اُس شخص سے تعرض نہ کرتا۔ پھر وہ بولا اور اُس کی آواز کمرے بھر میں گونجتی ہوئی ریڈ مارلن تک پہنچی۔ "تم انھیں گھر لے جاؤ اور ان کے بازو کا جوڑ بٹھانے کا بندوبست کرو۔ ان کی بہت خبر گیری کرنا۔ یہ بہت اچھے آدمی ہو سکتے ہیں۔" پھر وہ دوبارہ اُن سب کو بھول کر کرس کی طرف دیکھتا رہا اور منہ ہی منہ میں بولتا رہا جیسے کوئی ادھ موئے جسم سے مخاطب ہو جو اُس کی بات سن بھی نہ سکتا تھا۔ "تمھاری بس ایک ہی خطا ہے۔ تم ابھی کم عمر ہو۔ خیر۔ اس کمی کا علاج تو وقت ہمیشہ کر ہی دیتا ہے۔"

ان خیالات سے ایڈ باورز کو تکلیف ہوئی۔ وہ وہاں سے چل کھڑا ہوا۔ کمائی دار دروازے تک آیا اور وہاں سے رات کی تاریکی میں نکل گیا۔ یہ واقعہ تھا جو ایڈ باورز نے بیان کیا۔ "یہ سب کچھ،" اُس نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ "یہ سب کچھ پانچ منٹ کے اندر اندر ہو گیا۔ کرس کا

گریبان پکڑنے سے اُس کے بے دم ہو کر زمین پر آ رہنے تک شاید تیس سیکنڈ لگے ہوں گے۔ شمین جیسا قہر بھرا آدمی میرے خیال میں اب تک تو کوئی دیکھنے میں نہیں آیا۔ غنیمت ہے کہ وہ جوکا آدمی ہے اور فلیچر کے پاس نہیں پہنچا۔"

ابا نے بڑے فخر سے نظر اٹھا کر ہنری ڈپ سنیڈ کی طرف دیکھا۔ "ہاں! تو جیسے میں نے بڑی غلطی کی۔ ہے نا؟"

کوئی اور بولنے نہ پایا تھا کہ اماں بول پڑیں۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کیونکہ وہ بڑی پریشان سی معلوم ہوتی تھیں۔ اور بڑی تیز آواز سے بولیں۔

"مجھے اِس بات کا اتنا یقین نہیں ہے جو شیریٹ۔ میرا خیال ہے تم نے بڑی بھاری غلطی کی ہے۔"

"میرین، یہ تمھارے سر میں کیا سمایا ہے؟"

"دیکھتے نہیں ہو کہ تم نے اُسے بھڑا کر فلیچر سے ایک اور بھی خواہ مخواہ کا جھگڑا مول لیا۔"

ابا کا غصہ بھی جیسے بھڑ کنے ہی والا تھا۔ "عورتیں ان باتوں کو کبھی نہیں سمجھ سکتیں۔ دیکھو میرین، کرس ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ ابھی لڑکا ہی ہے اور تندرست ہے۔ بازو بٹھا دیا گیا تو جیسا تھا ویسا ہی بھلا چنگا ہو جائے گا۔ کچھ دیر نہ لگے گی۔"

"اُف جو! تمھاری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں نے کیا کہا؟ میں یہ نہیں کہہ رہی کہ تم نے کرس کا کیا حال کر دیا۔ میں کہتی ہوں تم نے شمین کے ساتھ یہ کیا کیا۔"

باب-۸

اس دفعہ اماں کا خیال درست ہی نکلا۔ اب شین وہ شین نہیں تھا۔ اُس نے ہمارے ساتھ پہلا سا رویہ قائم رکھنے کی کوشش کی۔ اور بظاہر کوئی بات نئی نہ تھی لیکن تمام گرمیاں جو سکون واطمینان اُسے میسر رہا وہ اب اُس سے چھن چکا تھا۔ اب وہ پہلے کی طرح ہم سے گھل مل کر باتیں نہ کرتا۔ ایک نامعلوم سی وحشت اُسے بے چین کیے ہوئے تھی جو اُس کے اندر کہیں بہت گہری دبی ہوئی تھی۔

کبھی کبھی جب یہ اضطراب اُس پر بری طرح طاری ہوتا تو وہ گھنٹوں ہمارے گھر کے آس پاس ٹہلا کرتا، اور ایسے میں یہی ایک چیز تھی جو اُسے ذرا تسکین دیتی۔ جب وہ سمجھتا ہوگا کہ اُس کی نقل و حرکت پر کسی کی نظر نہیں ہے تو میں اُسے دیکھا کرتا تھا۔ وہ اُس اڑگڑے کے جنگلے پر جسے خود اُس نے کھڑا کیا تھا، ہاتھ پھیرتا۔ اپنی گاڑی ہوئی بلیوں کو زور سے ہلا ہلا کر آزماتا۔ کھلیان کے پاس سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا، بڑی سی اناری پر نظر ڈالتا ہوا اُدھر نکل جاتا جہاں لمبی لمبی جوار کھڑی تھی۔ سوکھی مٹی میں ہاتھ ڈال کر مٹی اُٹھاتا اور اُسے اپنی انگلیوں سے چھن جانے دیتا۔

پھر وہ مویشیوں کے جنگلے پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو جاتا اور ہمارے چھوٹے سے گلّے کو بڑے غور سے دیکھتا جیسے وہ صرف ایڈنے والے جانبار جانور نہیں جنہیں مارکیٹ میں فروخت کرنے کے لیے موٹا تازہ کیا جا رہا ہے بلکہ اُس کے نزدیک اس سے کچھ زیادہ وقعت رکھتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ دھیرے سے سیٹی بجاتا، اور اُس کا گھوڑا جو اب تنومند ہو گیا تھا اور اُس کے جوہر نکھر آئے تھے، بڑے پُر تمکنت انداز سے نیچے تکے اور ایسے مضبوط قدم رکھتا ہوا کہ آپ کو شین کی اپنی چال یاد آ جائے، جنگلے کے قریب پہنچ جاتا اور اُس سے اپنی تھوتھنی بھڑوا دیتا۔

اکثر وہ سرِ شام کھانے کے بعد گھر سے غائب ہو جاتا۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ برتن دھل دھلا چکے تو میں اماں کی نظر بچا کر نکل آیا اور اُسے بہت دور چراگاہ میں اپنے گھوڑے کے ساتھ اکیلا کھڑا پایا۔ وہ اپنا ایک بازو گھوڑے کی چکنی خمدار گردن پر رکھے اپنی انگلیاں اُس کے کانوں پر پھیرتا رہتا۔ اور اُس کی نظریں ہمارے علاقے کی طرف ہوتیں جہاں ڈوبتے ہوئے سورج کی آخری شعاعیں پہاڑوں پر بکھرتی اور اُن کی چوٹیوں کو چمکاتی نظر آتیں اور وادی میں ایک پُر اسرار دھند کا چھانے لگتا۔

شروع میں جو خود اعتمادی اُسے حاصل تھی، اب اُس میں فرق نظر آتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے مجھ ٹانگ برابر کے لڑکے سے بھی اپنے بارے میں صفائی پیش کرنے کی ضرورت ہے جو اُس کے پیچھے پیچھے پھرا کرتا تھا۔

''اچھا مجھے بھی سکھاؤ وہ داؤں۔'' میں نے اُس سے فرمائش کی۔ ''تم نے کرس کو کس طرح دے مارا تھا؟''

وہ اس پر اتنی دیر چپ رہا کہ میں سمجھا جواب ہی نہ دے گا۔ آخر اُس نے کہا۔ ''داؤں اس طرح نہیں سیکھے جاتے۔ بس خود ہی جس کو آتے ہیں اُس کو آتے ہیں۔'' پھر وہ پے در پے بولے ہی چلا گیا اور اس طرح کہ گویا اپنی صفائی پیش کر رہا ہے۔ ''میں نے تو کوشش کی، بولو کیا نہیں کی؟ میں نے تو کوشش کی کہ وہ اپنا زور پوری طرح آزما لے۔ اُسے اپنے اوپر سوار ہو جانے دیا۔ انسان اپنا بھرم یوں بھی قائم رکھ سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ دوسرے کو زیر کر کے ہی اپنا زور منوائے۔ یہ تو تم بھی سمجھتے ہو باب۔ ہے یا نہیں؟''

مگر میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آیا۔ وہ جو کچھ مجھے سمجھا رہا تھا، دراصل اُس وقت میری سمجھ سے باہر تھا۔ مجھے کوئی جواب نہ سوجھا۔ وہ پھر بولا۔

''میں نے تو اُسی پر چھوڑ دیا تھا۔ اُسے دوبارہ مجھ پر جھپٹنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ وہ یونہی لڑائی ختم کر سکتا تھا۔ ضرور کر سکتا تھا، اگر واقعی مرد ہوتا۔ کیوں باب، ہے یا نہیں؟''

میں پھر بھی کچھ نہ سمجھا۔ مگر میں نے کہہ دیا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ وہ بڑے شد و مد سے بول

رہا تھا اور بڑی شدت سے میری تائید چاہتا تھا۔ اُس کی بات میری سمجھ میں بڑی مدت کے بعد آئی اور اُس وقت کہ میں خود بڑا ہو چکا تھا اور شمین موجود نہ تھا کہ مجھے سمجھائے۔

○

مجھے اچھی طرح معلوم نہ تھا کہ ابا اور اماں کو اُس میں آنے والی تبدیلی کا علم ہے یا نہیں۔ وہ یہ باتیں کبھی نہ چھیڑتے۔ کم از کم میرے سامنے نہیں۔ مگر ایک روز سہ پہر کو میں نے چپکے سے کچھ باتیں سن ہی لیں جن سے پتہ چلا کہ اماں کو ضرور خبر ہے۔

میں سکول سے دوڑا دوڑا واپس آیا اور اپنے پرانے کپڑے پہن کر باہر نکلا کہ دیکھوں ابا اور شمین جوار کے کھیت میں کیا کر رہے ہیں۔ اُس وقت مجھے ایک کارستانی سوجھی جو اب سے پہلے بھی کئی بار کر چکا تھا اور بڑی اچھی رہی تھی۔ اماں بے وقت منہ جھٹالنے کی بالکل روادار نہ تھیں۔ مجھے یہ بات بالکل فضول معلوم ہوتی تھی۔ میری نیت اُن کھانے کی چیزوں میں اٹکی ہوئی تھی جو اُنھوں نے چولھے کے پاس والی الماری میں ایک ڈبے کے اندر رکھ چھوڑی تھیں۔ وہ برساتی میں اطمینان سے بیٹھی آلو چھیل رہی تھیں۔ میں اپنی کوٹھڑی کی کھڑکی میں سے کود کر پچھواڑے کی طرف گیا اور دبے پاؤں باورچی خانے میں جا پہنچا۔ عین اُس وقت جب کہ میں نے الماری کے پاس احتیاط سے کرسی لا کر رکھی، اماں کی آواز سنائی دی۔ اُنھوں نے شمین کو پکارا۔

وہ کسی کام سے کھلیان تک آیا ہوگا کیونکہ ایک ہی لمحے میں برساتی کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے سامنے کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو اُسے قریب ہی کھڑا پایا۔ اُس کی ٹوپی ہاتھ میں تھی اور وہ گردن کسی قدر جھکائے اماں سے مخاطب تھا جو کرسی پر آگے کو جھکی بیٹھی تھیں۔

''میں تم سے کسی ایسے وقت بات کرنا چاہتی تھی جب جوآس پاس نہ ہوں۔''

''ہاں میرین کہو۔'' وہ اُنھیں یہی کہہ کے پکارتا تھا، ابا کی طرح۔ اُس کے انداز میں بے تکلفی کے ساتھ لحاظ شامل ہوتا تھا۔ اسی طرح وہ اُن کو ایسی میٹھی نظروں سے دیکھتا جو کسی اور کے لیے نہیں ہو سکتی تھیں۔

''تم بڑے فکرمند ہونا؟ کہ نہ معلوم اس فلیچر والے معاملے میں کیا ہو کیا نہ ہو؟ تمھارا خیال تھا کہ بس وہ لوگ آئندہ دُوراوے نہ دیا کریں گے اور آڑے وقت میں ذرا ہماری مدد ہو جائے گی۔ تمھیں خبر نہ تھی کہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک کہ پہنچی۔ اور اب تمھیں فکر یہ ہے کہ اگر جھگڑا طول پکڑے تو نہ معلوم تمھارے ہاتھ سے اور کیا ہو جائے؟''

''تم بات کی تہ تک خوب پہنچتی ہو میرین۔''

''اور تم سوچ رہے ہو کہ شاید یہاں سے چل ہی دو۔''

''مگر یہ تم نے کیسے جانا؟''

''کیونکہ تم کو کرنا بھی یہی چاہیے۔ اپنے ہی بھلے کے لیے۔ مگر میں تم سے یہ کہہ رہی ہوں کہ ایسا مت کرنا۔'' اماں بڑے احساس اور سنجیدگی کے ساتھ بات کر رہی تھیں۔ اُس وقت روشنی اُن کے بالوں سے کھیل رہی تھی اور وہ بے حد حسین نظر آ رہی تھیں۔

''تم چلے مت جانا شین۔ جو کو تمھاری ضرورت ہے۔ اب پہلے سے بھی زیادہ۔ جتنا وہ ظاہر کر سکتے ہیں اُس سے بھی زیادہ۔''

''اور تم کو؟'' شین کے فقط ہونٹ ہلتے معلوم ہوئے، الفاظ نہ معلوم کچھ نکلے کہ نہ نکلے۔

اماں کچھ جھجکیں۔ پھر اُنھوں نے سر اُٹھایا اور بولیں۔ ''ہاں! سچی بات تو یہی ہے۔ مجھے بھی تمھاری ضرورت ہے۔''

''اچھا.....ا.....تو.....و۔'' اُس نے کھینچ کر آہستگی سے کہا۔ وہ اُنھیں بڑے متفکرانہ انداز میں غور سے دیکھ رہا تھا۔ ''تم جانتی ہو میرین کہ کس بات کی فرمائش کر رہی ہو؟''

''مجھے معلوم ہے۔ اور خوب معلوم ہے کہ تم ہی اسے پورا بھی کر سکتے ہو۔ بعض اعتبار سے میرے لیے بھی اسی میں آسانی ہے کہ تم اس وادی کو چھوڑ جاؤ اور پھر کبھی یہاں نہ آؤ۔ مگر ہم جو کے ساتھ ناانصافی نہیں کر سکتے۔ میں تم پر بھروسا کرتی ہوں کہ تم مجھے کبھی ایسا نہ کرنے دو گے۔ چونکہ تم کو ٹھہرنا ہی ہے شین، اس لیے خیر یہ سختی بھی سہی۔ جو تمھارے بغیر اس جگہ کو سنبھال نہ سکے گا۔ وہ فلیچر کو اکیلا زیر نہیں کر سکتا۔''

شین چپ رہا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ بڑے ذہنی انتشار اور اضطراب میں مبتلا ہے۔ اماں سیدھا اُس کی طرف دیکھ کر بات کر رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ، جیسے الفاظ ڈھونڈ رہی ہوں۔ اور اُن کی آواز بھرّانے لگی تھی۔

''اس جگہ کو ہاتھ سے جانے دینا جو کو زندہ درگور کرنے کے برابر ہوگا۔ اب اُن کی عمر ایسی نہیں رہی کہ کسی اور جگہ نئے سرے سے زندگی شروع کریں۔ چلو مضائقہ نہیں۔ ہم سنبھالیں گے اور اچھی طرح سنبھالیں گے۔ آخر وہ کوئی اور نہیں، جو سنیریٹ ہے۔ وہ بڑا ہمت والا آدمی ہے اور بڑی مستعدی کے ساتھ جو کرنا ہو، کر کے رہتا ہے۔ مگر اُس نے مجھ سے یہ جگہ دلانے کا وعدہ اُس وقت کیا تھا جب ہماری شادی ہوئی تھی۔ وہ شروع کے سالوں میں برابر اسی کی دھن میں رہا۔ اُس نے دوہری محنت کر کے وہ چیزیں فراہم کیں جن کی ہمیں ضرورت تھی۔ جب باب چلنے پھرنے لگا اور تھوڑا بہت ہاتھ بٹانے کے قابل ہوا تو اُس نے یہاں پہنچ کر اپنی ملکیت کا دعویٰ دائر کیا اور یہ مکان اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اور جب ہم یہاں آئے تو پہلی بار ہمارا گھر بسا۔ کوئی اور چیز اس کی برابری نہیں کر سکتی۔''

شین نے ایک گہرا سانس کھینچ کر آہستہ آہستہ باہر نکالا۔ وہ اُن کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ مگر اُسے دیکھ کر میرا دل بھرا آتا تھا۔ ''جو کو تم جیسی بیوی پر فخر کرنا چاہیے۔ تم فکر مت کرو میرین۔ یہ جگہ تمھارے ہاتھ سے نہیں جانے پائے گی۔''

اماں نے کرسی سے کمر لگادی۔ اُن کے چہرے کا ایک رخ مجھے نظر آرہا تھا اور اُس پر ایک دمک سی تھی۔ پھر وہ، عین ایک عورت کی طرح، اپنے دل کے خلاف باتیں کرتی رہیں۔ ''مگر یہ فلیچر بڑا کمینہ اور دھوکے باز آدمی ہے۔ تمھیں پورا یقین ہے کہ سب ٹھیک ٹھاک رہے گا؟''

شین کھلیان کی طرف چل پڑا تھا۔ اُس نے مڑ کر اُن کی طرف دیکھا۔ ''میں نے کہہ دیا، یہ جگہ تمھارے ہاتھ سے نہیں جاسکتی۔'' اُس نے جس انداز سے یہ بات کہی، اور چونکہ یہ اُس کے منہ سے نکلی تھی، لہٰذا کوئی شک نہ تھا کہ درست ہے۔

باب-۹

ہماری وادی میں امن وسکون کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اُس رات کے بعد سے جب کہ شین بستی میں گیا تھا، فلیچر کے گوالوں نے ہمارے گھروں کے پاس سے گزرنا چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ ہمیں بالکل نہ چھیڑتے تھے اور دریا کے اُس پار بھی کبھی کبھار ہی کوئی شخص سواری کرتا نظر آتا تھا۔ اُس وقت اُن کے لیے ہم سے ذرا دور رہنے کی ایک معقول وجہ بھی تھی۔ وہ اُن چراگاہوں میں چھان چھپر ڈالنے میں لگے ہوئے تھے اور ایک باڑا بھی مویشیوں کے لیے کھڑا کر رہے تھے کیونکہ اب کی بہار میں فلیچر بہت سے مویشی ہنکا کے لانے کا منصوبہ رکھتا تھا۔

پھر بھی میں نے محسوس کیا کہ ابا اور شین بڑے چوکنے رہتے ہیں۔ اب وہ دونوں ہمیشہ مل کر کام کرتے تھے۔ ایک دوسرے کی نظر سے اوجھل فارم کے مختلف حصوں میں کام نہ کرتے۔ بستی میں جانا ہوتا تو ساتھ ہی جاتے۔ ابا اپنی بندوق بھی آٹھ پہر ساتھ ہی رکھتے۔ فارم کے اندر بھی ہوتے تو لیس ہی رہتے۔ جس دن کرِس کے ساتھ واردات ہوئی تھی اُس کے اگلے روز صبح ہی سے اُنھوں نے بندوق باندھ لی تھی۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ بکسوا لگاتے وقت اُنھوں نے شین کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا مگر شین نے تاسف کے طور پر گردن ہلا دی اور ابا نے بھی سر کے اشارے سے گویا اُس کی تائید کی۔ پھر دونوں کچھ بولے بغیر ساتھ ہی باہر نکل گئے۔

وہ بڑے دلکش برفباری کے دن تھے، روشن اور ولولہ خیز۔ ہوا میں صرف اتنی ہی خنکی تھی کہ طبیعت کو گدگدائے۔ سردی کا موسم یوں بھی بہت دلچسپ ہوتا ہے بشرطیکہ شدید سردی نہ ہو۔ طبیعت میں نئی امنگ پیدا ہو جاتی ہے۔ سردی نے وہ شدت نہ پکڑی تھی جو بعد میں برفیلی ہواؤں کے ساتھ برپا ہونے والی تھی۔ یقین ہی نہ آتا تھا کہ اِس کھیت کٹائی کے موسم میں جب

جسمانی صحت کے ساتھ روحانی پاکیزگی بھی حاصل ہوتی ہے، فتنہ و فساد اس شدت و تیزی کے ساتھ برپا ہوگا۔

ہفتے کی شام کو ہم لوگ ہلکی پھلکی سی ریڑھی پر لد جاتے۔ اماں اور ابا اوپر گاڑی بان کی نشست پر سوار ہوتے، میں اور شیمین پیچھے پاؤں لٹکائے بیٹھ جاتے اور بستی کی طرف چل پڑتے۔ ہم سارے ہفتے اس تفریح کا انتظار کرتے تھے۔

گرافٹن سٹور میں لوگوں کی آمد و رفت سے بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ یہ سب ہمارے واقف تھے۔ اماں ہفتہ بھر کے لیے سودا سلف خریدتیں، جس پر بڑی لمبی چوڑی گفتگو بھی ہوتی اور دوسری عورتوں سے باتیں بھی ہوتی جاتیں۔ اماں اور دوسرے گھروں کی عورتیں گھریلو ٹوٹکوں کی اولا بدلی میں بڑی مشاق تھیں اور یہی اُن کے باہمی مشوروں کی جگہ تھی۔ ابا مسٹر گرافٹن کو اپنی ضرورت کی چیزوں کے نام گنواتے اور سیدھے ڈاک وصول کرنے چلے جاتے۔ اُن کے پاس واشنگٹن سے کھیتی باڑی کے سامان کی فہرستیں اور کتابچے برابر آتے رہتے تھے۔ وہ جلدی جلدی اُن کی ورق گردانی کر کے کوئی خط ہوتا تو اُس پر نظر ڈالتے اور پھر ایک بڑے سے پیپے پر اخبار کھول کر بیٹھ جاتے۔ ذرا دیر بعد کسی پاس کھڑے ہوئے آدمی سے بحث میں لگ جاتے کہ اس علاقے کی سب سے اچھی فصل کون سی ہے، اس کی کاشت کیونکر ہونی چاہیے، وغیرہ وغیرہ، اور شیمین ہی اخبار کا مطالعہ کرتا رہتا۔

میں تمام سٹور کا معائنہ کرتا پھرتا اور کاؤنٹر کے بھرے پرے رکھے ہوئے کھلے پیپے میں سے کرارے بسکٹ لے کر چٹ کرتا رہتا یا مسز گرافٹن کی بڑی ڈیل ڈول والی سیانی بلی کے ساتھ آنکھ مچولی ہوا کرتی۔ یہ چوہوں کے شکار میں بڑی ماہر تھی۔ کبھی کبھی میں بکسوں کو اُلٹ پلٹ کے اُس کے سامنے بڑے موٹے تازے، روئیں دار چوہے دوڑا دیتا اور وہ اُن پر جھپٹتی۔ اماں کا مزاج خوش ہوتا تو میری جیب مٹھائی سے بھر جاتی۔

اب کی مرتبہ ہم معمول سے ذرا زیادہ ٹھہرے اور اس کا سبب میرے لیے بڑا ناخوشگوار تھا۔ ہماری استانی جین گرافٹن نے میرے ہاتھ اماں کو ایک پرچہ لکھ کر بھیجا تھا کہ کھڑے

کھڑے اُن سے بات کرتی جائیں۔ یہ بات چیت میرے ہی بارے میں ہونے والی تھی۔
بات یہ ہے کہ میں پڑھائی لکھائی کے کاموں میں کچھ بہت تیز نہ تھا۔ اس بڑی چراگاہ میں کیا کچھ ہو رہا تھا اور اس کا نتیجہ ہمارے حق میں کیا ہونے والا تھا، ان باتوں پر تاؤ کھانا اور خون کھولانا بھی پڑھنے کے حق میں مفید نہ ہوا بلکہ اور طبیعت اچاٹ رہی۔

مس گرافٹن، میرا خیال ہے، میرے دم کو زیادہ سے زیادہ گوارا کیے ہوئے تھیں۔ مگر اُن کو طیش جس چیز پر یا وہ تو صرف موسم کی بات تھی۔ بھلا کوئی لڑکا جس میں ذرا بھی ولولہ موجود ہو، اس موسم میں اپنی جماعت کے کمرے میں بند رہ سکتا تھا؟ اس ہفتے میں نے دو مرتبہ لی جانسن کو ساتھ ملا کر دوپہر کے کھانے کے بعد سکول سے فرار اختیار کیا کہ دیکھیں ہمارے پرانے تالاب میں اب بھی مچھلیاں منہ بلاتی نظر آتی ہیں یا نہیں۔

اماں نے ج کی خریداری کا خری سودا لینے کے بعد میری طرف مڑ کر دیکھا، ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور کندھے ذرا اُچکائے۔ میں سمجھ گیا کہ اب یہ سٹور کے پیچھے کی طرف رہائشی مکان میں مس گرافٹن سے بات کرنے چلیں۔ میرا دل دھک سے ہوا مگر میں ایسا بن گیا جیسے اماں کی طرف دیکھا ہی نہیں۔ اب سٹور میں تھوڑے ہی لوگ رہ گئے تھے اگرچہ برابر والی شراب کی دکان میں خاصی رونق تھی۔ وہ اُس طرف گئیں جہاں ابا ایک فہرست کے ورق اُلٹ رہے تھے اور اُن کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"ذرا جو۔ تم بھی سنو کیا معاملہ ہے۔ میں کہتی ہوں یہ لڑکا اب میرے قابو سے باہر ہو گیا ہے۔"

ابا نے ایک نظر سٹور پر ڈالی، پھر ذرا اُٹھ کر برابر والے کمرے کی طرف کان لگائے۔ اُس شام ہمیں فلیچر کا کوئی دی نظر نہیں پڑا تھا اور ہم بڑے خوش تھے۔ ابا نے شیمن کی طرف دیکھا جو اخبار پڑھ رہا تھا۔

"ہمیں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ جلدی ہی جائیں گے۔"

وہ سٹور کے پچھلے دروازے سے باہر نکلے اور شیمن سیلون کے دروازے کی طرف بڑھا۔

اُس نے ایک ہی نظر ڈال کر اپنے مخصوص پُرسکون مگر مستعد انداز میں پورے کمرے کا جائزہ لے لیا اور اندر آ گیا۔ مجھے وہاں جانا منع تھا اس لیے باہر ہی رُک گیا۔ شمین نے بار کے قریب پہنچ کر سوکھا سا منہ بنا کے ول اینگے سے مذاقاً کہا کہ آج تو سوڈے کی بوتل پینے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ لوگ ادھر اُدھر بکھرے ہوئے بیٹھے تھے اور زیادہ تر بستی کے آس پاس ہی سے آئے تھے۔ میں اُن کی شکلیں کم از کم ضرور پہچانتا تھا جو شمین سے ذرا قریب تھے۔ وہ اُسے کسی قدر اچنبھے کی نظروں سے دیکھتے ہوئے پرے سرک گئے۔ شمین نے جیسے اُن کو دیکھا ہی نہیں۔

اُس نے اپنا گلاس اُٹھا کر چکھا۔ اُس کی کہنی جنگلے پر رکھی ہوئی تھی۔ اُس نے مجمع میں گھسنے کی کوشش نہیں کی۔ دانستہ پہلو بھی نہ بچایا گویا کوئی دوستانہ بات چیت کے لیے آمادہ ہو تو وہ بھی آمادہ ہے اور دشمنی پر کمربستہ ہو تو وہ اس کے لیے بھی تیار ہے۔

میں کمرے میں نظریں دوڑا کر دکھائی دینے والے لوگوں کے نام یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ معاً میں نے دیکھا کہ جھولنے والا دروازہ آدھا کھلا اور ریڈ مارلن نے اندر جھانکا۔ شمین نے بھی اُسے دیکھا مگر وہ یہ نہ دیکھ سکا کہ باہر اور بھی کچھ لوگ ہیں کیونکہ وہ سٹور کی طرف دیوار سے لگے کھڑے تھے۔ میں اپنے پاس والی کھڑکی سے اُنھیں دیکھ سکتا تھا۔ بڑے ڈراؤنے سائے سے معلوم ہوتے تھے۔ مجھ پر اتنی وحشت طاری ہوئی کہ وہیں دھم رہ گیا اور ہل نہ سکتا تھا۔

مگر مجھے وہاں سے ہلنا ضرور تھا۔ اماں کے حکم کی خلاف ورزی کرنی ہی پڑی۔ میں اُفتاں و خیزاں سیلون میں آیا اور شمین سے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''شمین۔ باہر اُن کے اور بھی بہت سے آدمی کھڑے ہیں۔''

میرا کہنا بعد از وقت تھا۔ ریڈ مارلن اندر آ چکا تھا اور باقی آدمی بھی جلدی جلدی گھس کر سٹور کی طرف کا دروازہ بند کرنے کے لیے بڑھ رہے تھے۔ اُن میں مورگن بھی تھا۔ اُس کا چوڑا چکلا چہرہ بڑا کڑوا کسیلا اور خشمناک ہو رہا تھا۔ گھستے وقت اُس کے شانے پورے دروازے میں سما گئے تھے۔ اُس کے پیچھے وہ گوالا لڑکا کرلی تھا جسے بالوں کے جھنڈ کی وجہ سے یہ نام دیا گیا تھا

(یعنی جمہورا)۔ وہ کچھ سر بڑا سا اور سست قدم تھا، مگر قوی ہیکل اور مضبوط۔ اُس نے کرس کے ساتھ مل کر کئی برس کام کیا تھا۔ اُن کے پیچھے دو اور آئے۔ یہ مجھے بالکل نئے معلوم ہوئے۔ مگر اُن کے چہروں سے ظاہر تھا کہ پرانے گلہ بان ہیں۔

اُدھر ایک عقبی دفتر بھی تھا جس کا باہر کا دروازہ ایک پہلو کے چبوترے اور پچھلی گلی کی طرف کھلتا تھا۔ میری ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ میں نے شین کو زور سے کھینچا اور اُس دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ مگر اُس نے تیز نگاہوں سے مجھے روک دیا۔ اُس کا چہرہ مطمئن اور آنکھیں روشن تھیں۔ وہ بڑا مگن معلوم ہوتا تھا۔ ظاہر ہے یہ کچھ بشاشت کی کیفیت نہیں تھی بلکہ صرف یہ اطمینان کہ انتظار کا وقت ختم ہو گیا اور جو کچھ پیش آنے والا تھا آخر پیش آ ہی گیا۔ دیکھ لیا۔ سمجھ لیا۔ اور ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ اُس نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور شفقت سے اُسے ہلایا۔ میں نے اپنے بالوں میں سے اُس کی انگلیوں کا لمس محسوس کیا۔

"مرو بچے، کیا تم چاہتے ہو میں بھاگ جاؤں؟"

اُس شخص کے لیے محبت کی ایک رو میرے سارے جسم میں دوڑ گئی جس نے میرے پاؤں جکڑ لیے، اور مجھے اُس کے ساتھ وہاں موجود ہونے پر ایسا فخر محسوس ہوا کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ جو کچھ کہتا ہے ٹھیک ہے۔ اور جب اُس نے کہا۔ "یہاں سے چلے جاؤ۔ یہاں کوئی تماشا نہیں ہونے والا۔" تو میں اُس کی بات ماننے کے لیے بالکل تیار تھا لیکن میں سٹور میں اپنی نشست سے آگے نہیں بڑھا۔ یہاں سے میں کمرے کا زیادہ تر حصہ دیکھ سکتا تھا۔ میں اُس وقت کی کیفیت میں ایسا کھویا گیا کہ مجھے دوڑ کر ابا کو بلا لانے کا بھی خیال نہ آیا۔

○

اب مورگن پیش پیش تھا، اور اُس کے پیچھے پراجائے اُس کے آدمیوں کی ٹولی تھی۔ وہ شین کی طرف آدھی دور مڑا اور پھر رک گیا۔ کمرے میں خاموشی تھی، سوائے اُن لوگوں کے پاؤں کی چاپ کے جو بار اور قریب کی میزوں پر سے دیوار کی طرف کھسک رہے تھے اور اُن

میں سے کچھ تیزی سے سامنے کے دروازوں کی طرف آ رہے تھے۔ اُن کی طرف نہ شین نے توجہ کی نہ مورگن نے۔ وہ فقط ایک دوسرے کی طرف متوجہ تھے۔ اُنھوں نے اُس وقت بھی مڑ کر نہ دیکھا جب گرافٹن جو اپنے بار کی گڑبڑ کو کسی بھی فاصلے سے سونگھ سکتا تھا، سٹور میں سے برآمد ہوا اور قدم جماکے چلتا ہوا ول اسلکے کے برابر میں سے بار کے پیچھے نکل گیا۔ اُس کے چہرے پر ایک مجبوری کی جھلک تھی۔ وہ کاؤنٹر کے نیچے جھکا اور ایک چھوٹی نالی کی بندوق نکالی۔ اُسے اپنے سامنے بار کے تختے پر رکھا اور ایک خشک اور بیزار سے لہجے میں بولا۔ "بھائی صاحبان، ایک تو یہاں بندوق نہیں چلے گی، دوسرے تمام نقصانات کا معاوضہ دینا ہوگا۔"

مورگن نے رکھائی سے سر ہلایا مگر شین پر سے نظریں نہ اُٹھائیں اور ایک بازو سے کچھ زیادہ فاصلے پر پھر رک گیا۔ اُس کا سر آگے کو بڑھا ہوا تھا اور پہلو میں مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں۔

"کوئی جیالا میرے لڑکوں میں سے ایک سے بھی بھڑ کر بچ نہیں سکتا۔ ہم تمھیں اِس وادی میں سے لڑھکا کر باہر کر دیں گے شین۔ پہلے تمھاری تھوڑی سی مزاج پرسی کریں گے اور پھر دفعان کریں گے۔ اور پھر تم اس وادی میں قدم نہ رکھنے پاؤ گے۔"

"اچھا تو تم خوب تیاری کر کے آئے ہو۔" شین نے آہستہ سے کہا اور کہتے ہی کہتے حرکت میں آیا۔ وہ اس تیزی سے مقابلے پر آیا کہ سمجھ میں نہ آتا تھا کیا ہوا کیا نہ ہوا۔ اُس نے جھپٹ کر اپنا ادھ بھرا گلاس بار پر سے اُٹھایا اور ویسے کا ویسا گھما کر مورگن کے منہ پر کھینچ مارا۔ اور جب مورگن کے ہاتھ اُسے پکڑنے یا مارنے کو آگے بڑھے تو اُس نے مضبوطی سے اُس کی کلائیاں جکڑ لیں اور ایک اُلٹی جست کی، اور اپنے ساتھ مورگن کو بھی کھینچ لیا۔ اُس کا دھڑ دوہرا ہوا، گھٹنے ذرا جمائے اور مورگن کے پیٹ پر ایسی لات جڑی کہ وہ اچھل کے دھڑ سے زمین پر آ رہا اور تختوں پر سے پھسلتا ہوا میز کرسیوں کے درمیان چت جا پڑا۔

باقی چار شین پر تیزی سے ایک ساتھ جھپٹے۔ جیسے ہی وہ بڑھے، وہ اچانک گھوم کر مڑا اور سب سے قریب والی میز کے پیچھے چھلانگ لگادی اور دھائیں سے اُن پر اُلٹ ماری۔ وہ بچنے کے لیے تتر بتر ہوگئے۔ وہ پھر بڑی پھرتی سے گھوم کے آیا اور سب سے پچھلے آدمی پر جو نئے

آدمیوں میں سے تھا اور قریب ہی کھڑا تھا، چل پڑا۔ اُس کے مکے اپنے منہ پر کھاتا ہوا اُس کے قریب پہنچ گیا اور میں نے دیکھا کہ اُس نے اپنا گھٹنا بڑے زور سے اُس کے جبڑے میں مارا۔ اُس آدمی کے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی اور چاروں شانے چت زمین پر گر پڑا، اور دروازے کی طرف گھسٹنے لگا۔

مورگن اُٹھ کھڑا ہوا اور لڑکھڑاتا، ہاتھ منہ پر ملتا، چندھیا کے گھورنے لگا جیسے دوبارہ کمرے میں اردگرد کی چیزوں پر نظر جمانے کی کوشش کر رہا ہو۔ باقی تین شین پر تان کے مکے برسا رہے تھے اور اُس پر پلے چلے آ رہے تھے۔ وہ اس اندھا دھند حملے کے درمیان بڑی پھرتی اور اعتماد کے ساتھ اپنا بچاؤ کرتا جاتا تھا۔ حیرت تھی کہ اُسے چوٹ کیوں نہیں لگنے پاتی۔ مکے اُٹھتے دکھائی دیتے تھے اور اُن کے بھرپور وار جسم پر پڑتے سنائی دیتے تھے مگر اُس پر کوئی اثر نہ تھا، بلکہ وہ اُس کے دم خم میں اور بھی اضافہ کرتے معلوم ہوتے تھے اور اُس کی قوتوں کو اور بھی مشتعل کر رہے تھے۔ وہ ایک شعلے کی مانند اُن کے درمیان لپکتا آتا تھا۔ وہ اس گھمسان کی کیفیت میں سے بچ کر باہر نکل آتا اور پھر گھوم گھام کے اُس میں کود پڑتا۔ وہی اکیلا اُن تینوں کو دھکیلتا اور نچاتا دکھائی دیتا تھا۔ اُس نے نئے آدمیوں میں سے ایک کو تاک لیا تھا اور ہر بار اُسی پر لے دے کرتا تھا۔

کرلی آہستہ آہستہ بھدے پن سے اُٹھ کر تھکن کے مارے کچھ کراہتا ہوا شین کی طرف پھر بڑھا کہ اُس کے ساتھ ایک پکڑ اور کرے اور اُس کے دونوں ہاتھ تھام لے۔ شین نے ایک طرف کا کندھا جھکا لیا اور جب کرلی آ کے اُس کے ساتھ گتھ گیا تو ایک دم یوں اُچکایا کہ اُس کی ٹھوڑی پر زور سے لگا۔ کرلی کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور الگ جا پڑا۔

اب وہ لوگ چوکنے ہو گئے تھے اور اُس کے پاس آتے ہوئے جھجکتے تھے۔ پھر ریڈ مارلن نے ایک طرف سے اُس پر حملہ کیا تاکہ وہ اُس کی طرف مڑے۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے نئے آدمی نے ایک عجیب پینترا کھیلا۔ وہ ایک دم خرگوش کی طرح اونچا اچھلا اور اپنے بوٹ چڑھے ہوئے پاؤں سے ایک لات سیدھی شین کے سر پر ماری۔ شین نے اُسے بروقت تاڑ لیا

تھا مگر بچ نہ سکتا تھا۔ اُس نے لات کے ساتھ ہی سر گھمایا اور لات سامنے کے بجائے پہلو میں لگی۔ اُس کا سر جھٹ گیا مگر ہاتھ سست نہ پڑے۔ اُس نے فوراً وہی ٹانگ پکڑلی اور وہ آدمی کولہوں کے بل دھم سے زمین پر آ رہا۔ جیسے ہی وہ آ کے گرا شین نے اُس کی ٹانگ مروڑ کر پورے جسم کا زور اُس پر ڈال دیا۔ وہ آدمی زمین پر اس طرح بل کھائے پڑا تھا جیسے چوٹ کھایا ہوا سانپ۔ اُس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی اور وہ اچک اچک کے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس کی ٹانگیں زمین پر گھسٹتی رہیں اور سارا دم خم ہوا ہو گیا۔

مگر شین اُس کی ٹانگ مروڑنے کو جھکا تو اُس کی پیٹھ کرلی کی طرف ہو گئی تھی اور وہ چوڑا چکلا آدمی اُس کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ کرلی نے شین کو اپنی کولی میں لے کر اُس کے بازو بغلوں سے باندھ دیے۔ اُدھر سے ریڈ مارلن بھی مدد کو آ پہنچا اور دونوں نے مل کر شین کو جکڑ لیا۔

''پکڑے رہنا۔'' مورگن بھی اُٹھ کر چلاتا ہوا سامنے سے آیا۔ اُس کی آنکھوں میں نفرت صاف سلگتی دکھائی دیتی تھی۔ اس وقت ہوسکتا تھا کہ شین اپنے آپ کو چھڑا لے کیونکہ اُس نے اپنے بھاری بوٹ کے نکیلے کنارے والی ایڑی پوری قوت سے ایک جھٹکے کے ساتھ کرلی کے پاؤں پر جڑی۔ کرلی اچھل سا پڑا اور لڑکھڑا گیا۔ تب شین نے یکبارگی روز لگانا شروع کیا۔ اُس کا جسم ایک مضبوط کمان کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ رفتہ رفتہ اُن کی گرفت ڈھیلی پڑتی گئی۔ مورگن نے بھی اسے محسوس کرلیا۔ اُس نے کٹہرے پر سے ایک بوتل اُٹھائی اور پیچھے سے شین کے سر پر دے ماری۔

شین نیچے کو دھنسا اور وہ لوگ اُسے پکڑے ہوئے نہ ہوتے تو ضرور گر پڑتا۔ پھر جب مورگن گھوم کر اُس کے سامنے آیا اور کھڑا ہوا اُسے تکنے لگا تو شین کی قوت عود کر آئی اور اُس کا سر پھر اُبھر آیا۔

''پکڑے رہنا۔'' مورگن نے پھر کہا اور مکا تان کے شین کے چہرے پر مارنے کو بڑھا۔

ثمین نے سر کو ایک جھٹکا دیا اور مکا جبڑے پر لگنے کی بجائے گلے پر آیا اور ایک بھاری سا چھلا جو انگلی میں تھا، خوب گہرا آ کر گزرا۔ مورگن نے دوبارہ مکا تانا مگر اس کے پڑنے کی نوبت ہی نہ آئی۔

○

اس وقت کوئی چیز میری نظروں کو اس طرف سے ہٹا نہ سکتی تھی مگر میں نے اپنے قریب کسی کی سسکاری سن کر یوں محسوس کیا جیسے سانس حلق میں اٹک گیا ہو۔ یہ بڑی عجیب مگر مانوس سی آواز تھی، اور میری نظر فوراً اُس طرف گئی۔

ابا دروازے میں کھڑے تھے۔

وہ بڑے زبردست، بڑے خوفناک معلوم ہو رہے تھے اور اُلٹی ہوئی میز اور بکھری ہوئی کرسیوں کے اُس پار ثمین کو دیکھ رہے تھے۔ اُس گہرے قرمزی نشان کو دیکھ رہے تھے جو اُس کے سر کے پہلو میں تھا اور جس میں سے خون بہہ بہہ کر اُس کے گال پر آ رہا تھا۔ میں نے ابا کو ایسی کیفیت میں پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اسے صرف غصہ نہیں کہہ سکتے۔ ایک عجیب سا غضب اُن کے اندر بھرا ہوا تھا جس کے اثر سے اُن کا سارا جسم تھرتھرا رہا تھا اور تحمل ناممکن معلوم ہوتا تھا۔

مجھے توقع نہ تھی کہ وہ اتنی تیزی سے بڑھ سکیں گے مگر اس سے پہلے کہ اُن لوگوں کو اُن کی موجودگی کا علم ہو، وہ اُن پر آ پڑے اور مورگن سے اس طرح آ کر ٹکرائے کہ وہ لمبا تڑنگا آدمی لڑکھڑاتا ہوا دور جا کے پڑا۔ پھر لمبا سا ہاتھ بڑھا کر کرلی کا شانہ یوں دبوچا کہ انگلیاں گوشت میں گڑ کر رہ گئیں۔ دوسرے ہاتھ سے کرلی کی پیٹی تھامی اور ایک جھٹکا دے کر ثمین کو اُس کی گرفت سے چھڑا لیا۔ اُن کی اپنی قمیص پیچھے سے چاک ہو گئی۔ اور جب اُنھوں نے کرلی کو پکڑ کے اونچا اُٹھایا تو اُن کی مضبوط مچھلیاں صاف اُبھری ہوئی نظر آئیں۔ اُنھوں نے اُسے سر سے اونچا اُٹھا کے دے مارا۔ کرلی کچھ دم ہوا میں گھوم کے ایک میز پر آ رہا جو تھوڑی دور پر دیوار کے پاس پڑی تھی اور اُس کے بوجھ سے چور چور ہو کر رہ گئی۔ اُس کے ٹوٹے ہوئے تختے اور کرلی دونوں دیوار سے جا کر ٹکرائے۔ کرلی نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر دوبارہ اُٹھنے کی

کوشش کی مگر ڈھے گیا اور پھر نہ اُٹھا۔

شمین اُسی لمحے تڑپ کر حرکت میں آ چکا تھا جب ابا نے گرلی کو کھینچا کیونکہ اب ایک اور دھماکا سنائی دیا۔ اس دفعہ ریڈ مارلن زور سے جا کر بار سے ٹکرایا۔ اُس کا چہرہ شکن آلود ہو رہا تھا اور وہ ہاتھ بڑھا کر بار کو تھامنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ لڑکھڑا کر سنبھلا۔ پھر دروازے کی طرف لپکا اور سیدھا اُس سے جا ٹکرایا۔ دروازہ اُس کے دھکے سے آپ ہی آپ کھل گیا اور وہ باہر نکلا تو سڑاک سے جھول کر بند ہوا۔ میری نظر ایک دم شمین کی طرف مڑی جس کے منہ سے ایک قہقہہ نکل گیا تھا۔

وہ تنا ہوا بڑی شان سے کھڑا تھا۔ اُس کے چہرے پر خون کا دھبا سرخروئی کا نشان معلوم ہوتا تھا اور یہ قہقہہ اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

یہ بڑا اہکا قہقہہ تھا۔ بے تحاشا نہیں بلکہ بہت مدھم۔ اور یہ ریڈ مارلن کے بھگوڑے پن پر نہیں بلکہ اپنی جان بچ جانے اور گرفت سے آزاد ہو جانے پر جسم اور روح دونوں کی کیفیت کا فطری تقاضا تھا۔ اُس کی تیز طرار بجلی کی سی طاقت جو ابا کی خالص توانائی سے بہت مختلف تھی، اُس کے روئیں روئیں سے آشکار تھی۔

مورگن پچھلے کونے میں تھا اور اُس کے پژمردہ چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ حیران ہے، کیا کرے کیا نہ کرے۔ ابا کا غیظ و غضب گرلی کو پٹخ دینے کے بعد کچھ دھیما ہوا تھا اور انھوں نے پلٹ کر ریڈ مارلن کو بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔ اب وہ مورگن کی طرف بڑھے مگر شمین کی آواز پر رک گئے۔

''ٹھہرو جو۔ اس آدمی سے میں نپٹ لوں گا۔'' اُس نے ابا کے پہلو میں پہنچ کر اپنا ہاتھ اُن کے بازو پر رکھا اور میری سمت اشارہ کر کے کہا۔ ''تم ان کو یہاں سے لے جاؤ۔'' میں نے دیکھا کہ اماں بھی قریب پہنچ گئی تھیں اور وہ بھی سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ وہ ابا کے پیچھے آئی ہوں گی اور اس اثنا میں وہیں کھڑی رہی ہوں گی۔ اُن کے ہونٹ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔ آنکھوں میں ایک چمک سی تھی اور وہ اُس پورے کمرے کو تک رہی تھیں، کسی ایک چیز یا ایک

شخص کو نہیں بلکہ کمرے کی پوری فضا کو۔

ابا نے قدرے مایوسانہ لہجے میں شکایت کے طور پر کہا۔ ''مورگن تو میرے قد قامت کا ہے۔'' انھیں شین کی طرف سے کوئی تشویش نہ تھی کہ وہ اُسے سنبھال نہ سکے گا بلکہ صرف مورگن پر غصہ اتارنے کا بہانہ چاہتے تھے۔ مگر آگے نہ بڑھے۔ انھوں نے دیوار کے پاس والے آدمیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''یہ شین کا اور اس کا مقابلہ ہے۔ تم میں سے کسی نے بھی دخل دیا تو میں سمجھ لوں گا۔'' اُن کے لہجے سے ظاہر تھا کہ وہ اُن پر تاؤ نہیں کھا رہے نہ اُن سے لڑنا چاہتے ہیں بلکہ صرف یہ بات جتا رہے ہیں کہ مقابلہ ان دونوں ہی کے درمیان ہوگا۔ ''میرین تم گاڑی کے پاس جا کر ٹھہرو۔ مورگن بہت دن سے اپنی شامت بلا رہا تھا۔ اور اب یہ عورتوں کے دیکھنے کا تماشا نہیں ہے۔''

اماں نے انکار میں سر ہلایا۔ اب اُن کی نظریں شین ہی پر جمی ہوئی تھیں۔ ''نہیں جو۔ یہ ہمارے آدمی کا معاملہ ہے۔ میں سب دیکھ کر جاؤں گی۔'' ہم تینوں وہیں رہے۔ اور یہ ٹھیک بھی تھا کیونکہ وہاں شین موجود تھا۔

○

وہ مورگن کی طرف بڑھا، بالکل ایسا ہی سبک اور پُر وقار جیسے سنور کی بلی چوہوں پر داؤں کرتی تھی۔ وہ ہم سب سے بے خبر تھا، اُن لوگوں سے بھی جو پہلے ہوئے پڑے تھے اور اُن سے بھی جو الگ ہو کے دیوار سے جا لگے تھے۔ مسٹر گرافٹن اور ول اٹکے بار کے پیچھے دبکے ہوئے بیٹھے تھے۔ شین کی تمام تر توجہ اُس قد آور آدمی پر تھی جو اُس کے سامنے تھا۔

مورگن لمبا بھی زیادہ تھا اور جسیم بھی۔ اُس کے دم خم کی دھاک بہت دنوں سے تمام وادی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ مگر وہ دل سے اس مقابلے پر آمادہ نہ تھا بلکہ عاجز آیا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے توقف نہیں کیا بلکہ ایک دم شین پر آ پڑا تا کہ اپنے قوی جسم و جثے سے اُس کو دبا لے۔ شین پھرتی سے اُس کے سامنے سے ہٹ گیا، اور وہ برابر سے نکلا تو ایک مکا اُس کے پیٹ پر کس کے مارا اور دوسرا جبڑے پر۔ یہ دونوں مکے پے در پے اس تیزی سے پڑے کہ بس ہاتھ

کی ایک حرکت دکھائی دی اور نگاہ تھم نہ سکی۔ مگر دونوں مکوں پر مورگن اپنے زور میں بڑھتے بڑھتے ایک دم اُچکا۔ پھر اُس نے کئی بار اسی طرح بلہ بولا اور اُس کے مکے اُٹھ اُٹھ کے تنتے رہے مگر ہر دفعہ شین اُسی پھرتی سے کاوا کاٹ گیا اور اپنا ہاتھ اُسی تیزی کے ساتھ لگاتا گیا۔

مورگن ہانپتے ہوئے ٹھہر گیا۔ اُس کی سمجھ میں آ گیا کہ سیدھا سیدھا مقابلہ بے کار رہے گا۔ اس دفعہ وہ دونوں بازو پھیلا کر شین پر جھپٹا تاکہ کسی طرح اُس کو اپنی گرفت میں لے لے اور کسی داؤں پر لا کر پچھاڑ دے۔ شین بھی تیار تھا۔ اس دفعہ اُس نے اُس کو کنی کاٹنے بغیر آنے دیا اور کھلے ہوئے بازوؤں کی بھی پروا نہ کی جو اُس کو دبوچنے کے لیے بڑھے تھے۔ اُس نے اپنا ہاتھ اُسی طرح پنجے کھول کر تانا جیسے کہ ایڈ ہاولز نے ہم کو پہلے بتایا تھا۔ اُدھر مورگن اپنے زور میں بڑھ رہا تھا۔ اِدھر شین کا ہاتھ اُس کے منہ پر پڑا۔ اُس کی مُنڈیا پیچھے کو ڈھلک گئی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے کو ہٹ آیا۔

مورگن کا منہ سوج کے رہ گیا اور اُس پر لال لال دھبے نظر آنے لگے۔ اُس کے ہانپتے ہوئے منہ سے ایک مہمل سی آواز نکلی۔ اُس نے ایک کرسی اُٹھالی اور اُس کی چاروں ٹانگیں شین کی طرف کیے پھر لپکا۔ شین پھر اُسی صفائی اور پھرتی سے سامنے سے کھسک گیا۔ مورگن سمجھ گیا تھا کہ وہ یہی کرے گا اور اُس نے ایک دم ٹھٹھک کر کرسی کو پھینکنے کے بجائے جھلا کے ایک چکر دیا تاکہ شین کے پہلو میں جا کے لگے۔ کرسی ٹوٹ گئی اور شین لڑکھڑایا اور اچانک گرتا ہوا سا دکھائی دیا۔ اُس شخص کے لیے جس کے قدم ہمیشہ مضبوط رہتے تھے، اس طرح جھوک کھا کے گرنا بڑا خلاف توقع معلوم ہوتا تھا۔ مورگن یہ دیکھ کر اندھا دھند اُس پر آیا اور شین نے پھرتی سے گھٹنا اُٹھایا اور اپنے جوتے سے مورگن کو اس طرح دھکیلا کہ وہ سیدھا بار سے جا ٹکرایا، اور ایسے زور کی آواز ہوئی کہ پورا کمرہ گونج گیا۔

اُسی لمحے شین اس پھرتی سے اچک کر مورگن کی طرف لپکا گویا اُس کی ٹانگوں میں کمانی لگی ہوئی ہے۔ اُس نے الٹے ہاتھ سے کھلی ہتھیلی کا ایک اور تیز مورگن کے ماتھے پر جڑا اور اُس کا سر ایک جھٹکے کے ساتھ پیچھے پھر گیا۔ شین کا دوسرا ہاتھ فوراً ہی مورگن کے گلے پر جا کے پڑا۔

اُس کے سکڑے سمٹے چہرے پر کرب کے علامات صاف ظاہر تھے اور آنکھیں دہشت کے مارے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ اب کے شمن نے سیدھے ہاتھ سے گردن اور کان کی پشت پر پے در پے وار کیے جو مُکے نہیں بلکہ سونے کے سے وار معلوم ہوتے تھے جن کی دھمک سے دل لرز جاتا تھا۔ موہن کی آنکھیں بے چینی سے گھوم رہی تھیں اور جسم ایک طرف جھک گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ زمین پر آ رہا۔
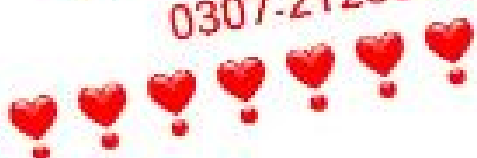
باب-۱۰

مورگن کی شکست کے بعد اُس وسیع کمرے میں ایسا سناٹا چھایا کہ ول اسکٹے نے بار کے تختے کے نیچے سے سر اُٹھانا چاہا تو اُس کی سرسراہٹ بہت واضح طور پر سنائی دیتی تھی۔ ول گھبرا کر اور کچھ خوفزدہ سا ہو کر پھر ساکت ہو گیا۔

شین نے اُس کی طرف دیکھا نہ دوسرے آدمیوں کی طرف نظر کی جو دیوار کی طرف کھڑے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔ اُس نے صرف ہماری طرف دیکھا۔ ابا کو، اماں کو، اور مجھے۔ ایسا محسوس ہوا کہ ہمیں وہاں دیکھ کر اُسے رنج ہوا۔

اُس نے گہرا سانس لیا اور اُس کا سینہ پھول گیا، اور دیر تک ایک کرب و اذیت کے احساس سے پھولا ہی رہا۔ پھر اُس نے آہستہ آہستہ ایک آہ سی بھرتے ہوئے سانس باہر نکالا۔ اس احساس سے ایک دم طبیعت پر بڑا اثر ہوا کہ وہ خاموش اور ساکت تھا۔ نظر آ رہا تھا کہ وہ اس وقت تھکن سے کس قدر بے حال اور خونم خون ہے۔

اس سے چند لمحے پہلے ہم نے اُس کی برق آسا طرز اری کے کرشمے دیکھے تھے۔ جسمانی قوت کا ایک تیز رو دھارا تھا کہ اُبلا پڑتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ انسان نہ کبھی تھک سکتا ہے نہ مغلوب ہو سکتا ہے۔ اب جب کہ وہ ساکت تھا اور وہ شعلہ جو اُس کے اندر بھڑک رہا تھا، سرد پڑ گیا تھا تو اندازہ ہوا کہ اُس نے کیسی سخت آزمائش سہی تھی۔ اُس کی قمیص کا کالر خون میں تر بتر تھا۔ یہ خون وہ تھا جو صرف اُس کے گال سے بہا تھا اور تھوڑا ہی سا آکر جذب ہوا تھا۔ اُس کے اَٹے ہوئے بالوں سے اور بھی زیادہ خون بہا تھا جہاں مورگن کی بوتل ٹکرائی تھی۔ بے خبری میں اُس کا ہاتھ وہاں تک پہنچا اور خون سے داغدار، چپکتا ہوا واپس آیا۔ اُس نے اُس کی طرف بڑی سنجیدگی سے دیکھا اور اُسے اپنی قمیص پر پونچھ دیا۔ اُس نے ذرا سی جھونک کھائی، اور جب وہ

ہماری طرف بڑھا تو اُس کے قدم گھسٹتے ہوئے سے معلوم ہوئے اور قریب تھا کہ منہ کے بل گر پڑے۔

بستی کا ایک آدمی مسٹر ویز جو ہمارا طرفدار تھا، دیوار کی طرف بڑھا اور اظہارِ ہمدردی کے طور پر ایک چٹا کا اُس کی زبان سے نکلا۔ اُس نے شین کو سہارا دینا چاہا۔ شین نے اپنے آپ کو سیدھا کر لیا۔ اُس کی روشن نگاہوں سے انکار ظاہر ہوتا تھا۔ سینہ تانے پُرشکوہ انداز میں بغیر لڑکھڑائے وہ اس طرح ہماری طرف بڑھا گویا وہ روح جو اُس کے اندر تھی، اُس کو ہر فاصلے تک اور ہمیشہ یوں ہی تھامے رہے گی۔

مگر اِس کی ضرورت نہ تھی۔ اس تمام وادی میں ایک آدمی بلکہ پوری دنیا میں ایک ہی آدمی جس کی مدد وہ گوارا کرتا، اِس کا وہ خواستگار نہ ہوتا بلکہ جس کی مدد اُسے محض گوارا ہوتی، وہاں اُس کی مدد کو موجود تھا۔ ابا اُس کی طرف آئے اور اپنا مضبوط بازو اُس کے شانوں تک بڑھایا۔ ''بہت اچھا جو۔'' شین نے اِس قدر آہستہ سے کہا کہ میرے خیال میں شاید ہی کوئی سن پایا ہو۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور ابا کے بازو کے سہارے جھک گیا۔ اُس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا اور اُس کا سر ڈھلکنے لگا۔ ابا جھکے اور اپنا دوسرا بازو اُس کے گھٹنوں کے نیچے سے نکال کر اُسے اُٹھا کر لے چلے، اُسی طرح جیسے کبھی کبھی مجھے اُٹھاتے تھے جب میں دیر تک جاگتا اور مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگتی اور مجھے بستر تک پہنچانا پڑتا۔ ابا نے شین کو اُٹھائے ہوئے مسٹر گرافٹن سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''مہربانی ہوگی سام، اگر تم اپنے سارے نقصانات کا اندازہ لگا کر اِسے میرے بل میں شامل کر دو گے۔''

بلوں کے بارے میں اِتنے سخت اور نفع خوری کے لیے آمادہ مسٹر گرافٹن جیسے شخص کے جواب سے مجھے حیرت ہوئی۔ ''میں یہ سب فلیچر کے حساب میں شامل کروں گا اور اُس سے وصول کر کے رہوں گا۔''

مسٹر ویز نے تو مجھے اور بھی زیادہ متحیر کیا۔ وہ برجستہ اور پُرزور لہجہ میں بولے۔ ''میری سنو سٹیریٹ۔ اب وقت آ گیا ہے کہ یہ قصبہ بھی اپنا سر فخر سے اُٹھا سکے اور ہم لوگ بھی تم

زمینداروں سے زیادہ ہمسایہ داری برتیں۔ میں اس نقصان کی تلافی چندے سے کروں گا۔ آج جب سے یہ لڑائی شروع ہوئی، مجھے اپنے آپ سے بڑی شرم آتی رہی کہ الگ تھلگ کھڑا رہا اور ان پانچوں کو تمھارے آدمی پر پل جانے دیا۔"

ابا بہت خوش ہوئے مگر وہ جانتے تھے کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ "یہ تمھاری مہربانی ہے ویز۔ مگر یہ تمھارا جھگڑا نہ تھا۔ اگر میں تمھاری جگہ ہوتا تو دخل نہ دینے پر اس طرح افسوس نہ کرتا۔" اُنھوں نے جھک کر شین کی طرف دیکھا۔ اُس کے چہرے سے ایک غرور کا احساس صاف عیاں تھا۔ "سچی بات یہ ہے کہ آج میرے بغیر بھی چوٹ برابر کی تھی۔"

اُنھوں نے مسٹر گرافٹن کی طرف پھر دیکھا۔ "فلیچر اس سلسلہ میں ایک نکل بھی خرچ نہیں کرے گا۔ خدا کی قسم یہ ہم ادا کریں گے۔" اُنھوں نے سر کو پیچھے کی طرف جھٹکا دے کر کہا۔ "میں اور شین۔"

وہ کمانی دار دروازے کی طرف گئے اور اُسے کھولنے کے لیے ایک طرف مڑے۔ اماں نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم اُن کے پیچھے ہو لیے۔ اماں خوب جانتی تھیں کہ کب بولنا چاہیے اور کب نہیں۔ اُنھوں نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ ہم چپکے دیکھتے رہے اور ابا شین کو اُٹھائے گاڑی تک لے گئے اور باگ دوسرے ہاتھ میں لے لی۔ ول اٹکنے ہماری چیزیں لے کر آہستہ چال سے نکلا اور اُنھیں ٹھکانے سے رکھ دیا۔ اماں اور میں گاڑی کے پچھلے حصے میں چڑھ بیٹھے۔ ابا نے گھوڑوں کو ٹخٹخایا اور ہم گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

○

بڑی دیر تک گھوڑے کے سموں کی آواز اور پہیوں کی خفیف سی چرچراہٹ کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دی۔ پھر مجھے دبی دبی سی ایک بے ساختہ ہنسی کی آواز آئی۔ یہ شین تھا۔ ٹھنڈی ہوا اُسے تازہ دم کر رہی تھی۔ وہ سیدھا بیٹھا تھا اور اُس کا جسم گاڑی کے ہچکولوں کے ساتھ ساتھ جھوم رہا تھا۔

"تم نے اُس موٹو کی کس طرح خبر لی جو۔ میں تو اُس لال بالوں والے کو سنبھالے

ہوئے تھا۔۔۔‘‘

’’ہاں، بس یوں سمجھو کہ میں نے اُسے اپنے راستے میں سے اُٹھا کے پھینک دیا۔‘‘

ابّا اس تذکرے کو ٹال دینا چاہتے تھے مگر اماں سے نہ رہا گیا۔ ’’انھوں نے آلوؤں کے بورے کی طرح اُسے اُٹھایا اور کمرے کے دوسرے سرے پر دے مارا۔‘‘ وہ نہ شمین سے مخاطب تھیں نہ کسی اور سے۔ وہ گویا اُس رات سے مخاطب تھیں، رات کی اُس سیاہی سے مخاطب تھیں جو ہمارے اردگرد پھیلی ہوئی تھی، اور تاروں کی روشنی میں اُن کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

ہم اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔ ابّا نے ہم سب کو گھر میں جانے کا اشارہ کیا اور خود گھوڑوں کو کھولنے لگے۔ باورچی خانے میں اماں نے کچھ پانی چولھے پر پکنے کو رکھا اور مجھے بستر کی طرف دوڑا دیا۔ مجھے اُڑھا لپیٹ کر جیسے ہی اُن کی پیٹھ مڑی، میں دروازے کی آڑ میں سے جھانکنے لگا۔ اماں بہت سے صاف چیتھڑے لائیں۔ چولھے پر سے پانی اُتارا اور شمین کے سر کی مرہم پٹی میں لگ گئیں۔ وہ بہت ہی نرم ہاتھ سے کام کر رہی تھیں اور اُس وقت آپ ہی آپ زیرِلب کچھ گنگنا رہی تھیں۔ جب گرم گرم پانی شمین کے اُلٹے ہوئے بالوں کے نیچے والے زخم تک پہنچا اور اماں نے جما ہوا خون اُس کے گالوں سے صاف کیا تو اُسے سخت تکلیف محسوس ہوئی۔ مگر معلوم ہوتا تھا کہ اماں کو اُس کی تکلیف سے کچھ زیادہ ہی دکھ پہنچ رہا ہے کیونکہ کبھی کبھی اُن کے ہاتھ کانپ جاتے اور ایک طرح کی ہچکچاہٹ اور اضطراب جو تھا تو اُنھی میں تھا۔ وہ خود سکون سے بیٹھا بردباری کے ساتھ مسکراتا رہا۔

ابّا آئے اور چولھے کے پاس بیٹھ کر اُن دونوں کو دیکھنے لگے۔ پھر اپنا پائپ نکالا اور بہت احتیاط سے اُسے بھرنے اور جلانے میں لگ گئے۔

اماں نے اپنا کام ختم کیا۔ شمین نے پٹی نہ باندھنے دی۔ ’’یہاں کی ہوا ہی سب سے اچھا مرہم ہے۔‘‘ اماں کو زخم دھونے اور یہ اطمینان کر لینے کے بعد ہاتھ روک لینا پڑا کہ خون پوری طرح بند ہوگیا ہے۔ اب ابّا کی باری آئی۔

’’جو یہ قمیص اتار دو۔ پیچھے سے بالکل پھٹ گئی ہے۔ دیکھوں اسے کس کام میں لایا

جا سکتا ہے۔'' مگر اس سے پہلے کہ وہ اٹھیں، اماں نے اپنا ارادہ بدل دیا تھا۔ ''نہیں۔ ہم اسے اسی طرح رہنے دیں گے، آج شب کی یادگار کے طور پر۔ جب تم نے اس آدمی کو اٹھا کے پٹخا ہے تو تم پر کتنا رعب برس رہا تھا جو، اور ......''

''فضول۔'' ابا نے کہا۔ ''میں تو بس بھنایا ہوا تھا۔ بھلا وہ شین کو پکڑے رہے تا کہ مورگن اُسے دُھونستا رہے۔''

''اور تم شین،'' اماں نے جو بیچ باورچی خانے میں پہنچ گئی تھیں، ایک سے دوسرے کی طرف نظر ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''تم بھی بڑے ہی زبردست معلوم ہو رہے تھے۔ مورگن کس قدر لحیم شحیم اور خوفناک تھا اور پھر بھی اُس کو ایک وار کرنے کا بھی موقع نصیب نہ ہونے پایا۔ اور تم کتنے اطمینان اور پھر تیلے پن سے لڑتے رہے۔ کیسے بے پناہ معلوم ہوتے تھے اور ......''

''عورتوں کو ایسے منظر نہیں دیکھنے چاہئیں۔'' شین نے اُن کی بات کاٹ دی، اور اُس کی یہی رائے تھی۔ مگر اماں بولتی ہی چلی گئیں۔

''تمھارا مطلب ہے کہ مجھے اس لیے نہیں دیکھنا چاہیے تھا کہ یہ بہت بڑی ظالمانہ حرکت ہے۔ لڑائی صرف یہ دیکھنے کو نہیں لڑی جاتی کہ مقابلے میں کون بہتر ہے بلکہ یہ ایک ذلیل اور خبیث حرکت ہوتی ہے جس میں ہر حیلے اور ہر طریقے سے ورر ہنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بے شک یہ تو ہے۔ لیکن تم نے تو پہل نہیں کی تھی۔ تم تو لڑنا نہیں چاہتے تھے، کم از کم جب تک کہ انھوں نے مجبور ہی نہ کر دیا۔ تم اس لیے لڑے کہ اس کے بغیر چارہ ہی نہ تھا۔''

اُن کی آواز تیز ہوتی جا رہی تھی۔ وہ کبھی سامنے کی طرف کبھی پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھ رہی تھیں اور آپے سے باہر ہوئی جا رہی تھیں۔ ''کبھی کسی عورت کو ایسے دو حمایتی ملے ہیں؟'' شین نے ہلکی سی آواز میں کہا۔ اور اماں اُن کی طرف سے مڑ کر اندھا دھند ایک کرسی کی طرف بڑھیں اور اُس میں دھنس گئیں۔ چہرہ ہاتھوں میں لے لیا اور اُن کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

دونوں آدمیوں نے اُن کی طرف دیکھا۔ پھر ایک دوسرے کی طرف اُس بڑوں کی سمجھداری کے انداز سے دیکھا جسے میں بالکل نہ سمجھ سکا۔ شین اُٹھا اور اُن کے قریب جا کر اپنا

ہاتھ نرمی سے اُن کے سر پر رکھ دیا۔ میں نے پھر اُس کی انگلیوں کو اپنے بالوں میں الجھا ہوا محسوس کیا اور اُس کی محبت اپنے اندر اُمڈتی ہوئی سی محسوس کی۔ وہ خاموشی سے دروازے سے نکلا اور رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔

ابا نے اپنا پائپ اُٹھایا۔ وہ بجھ چکا تھا۔ ابا نے بے خبری کے عالم میں اُسے جلا لیا۔ وہ اُٹھے اور دروازے سے نکل کر برساتی میں چلے گئے۔ مجھے رات کی تاریکی میں اُن کا دھندلا سا عکس نظر آ رہا تھا۔ وہ دریا کے پار گھورتے دکھائی دیے۔

اماں کی سسکیوں کی آواز مدھم ہوتے ہوتے ختم ہو گئی۔ اُنھوں نے سر اُٹھایا، آنسو پونچھے، اور پکارا۔ ''جو۔''

ابا اندر آنے لگے، اور پھر دروازے پر ٹھہر گئے۔ اماں کھڑی ہو گئیں، اپنے بازو اُن کی طرف پھیلا دیے، اور ابا نے فوراً اُنھیں گلے لگا لیا۔

''تم سمجھتی ہو۔ میں جانتا ہوں۔''

''ہاں! مگر تم نہیں جانتے۔ سچ مچ نہیں جانتے۔ تم جان ہی نہیں سکتے، اس لیے کہ میں خود اپنے آپ کو نہیں پہچانتی۔''

ابا اُن کے سر کے اوپر سے باورچی خانے کی دیوار کو خالی خولی تکتے جا رہے تھے۔ ''تم گرجومت میرین۔ مجھ میں اتنی مردانگی موجود ہے کہ اپنے سے بہتر کو پہچان سکوں۔ جب میرا اُس کا ساتھ ہو جائے تو جو کچھ ہو گا اچھا ہی ہو گا۔''

''او جو۔ جو، مجھے پیار کرو۔ مجھے زور سے بھینچ لو اور کبھی نہ چھوڑنا۔''

باب-۱۱

اُس رات ہمارے باورچی خانے میں جو واقعہ گزرا میں اُس وقت اُسے سمجھنے سے قاصر تھا۔ مگر مجھے اُس سے کچھ تشویش بھی نہیں ہوئی اِس لیے کہ ابّا کہتے تھے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اور کوئی شخص بھی جو انھیں جانتا ہو، اس میں کیسے شک کر سکتا تھا کہ جیسا وہ کہتے ہیں ویسا نہیں ہوگا۔

اب ہمیں فلیچر کے آدمی بھی بالکل پریشان نہیں کرتے تھے۔ ہمارے گھر میں سے اُس طرف دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ دریا کے اُس پار واقعی کوئی بڑی چراگاہ ہے جو دور تک وادی میں پھیلی ہوئی ہے اور اِدھر ایرنی رائٹ کے گھر کے پاس تک آتی ہے۔ اُن لوگوں نے اب ہمارا پیچھا چھوڑ دیا تھا اور قصبہ میں کم ہی نظر آتے تھے۔ میں نے سکول میں بچوں سے سنا کہ فلیچر خود بھی گیا ہوا ہے۔ وہ ڈاک کی گاڑی میں چینے تک یا شاید اُس سے بھی دور گیا تھا، لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ کیوں گیا ہے۔

پھر بھی ابّا اور شین پہلے سے زیادہ چوکنے اور ہوشیار رہتے۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ ساتھ ساتھ رہتے اور کھیت میں بھی ضرورت سے زیادہ نہ ٹھہرتے۔ شام کو برساتی میں گپ شپ نہ ہوتی، اگرچہ اُن ٹھنڈی اور سہانی راتوں کا تقاضا یہی ہوتا کہ باہر نکل کر جھلملاتے ہوئے تاروں کی چھاؤں میں وقت گزارا جائے۔ ہم اندر ہی رہتے اور ابّا اِس بات پر مصر ہوتے کہ لیمپوں پر اندھیریاں خاص طور پر چڑھائی جائیں۔ اُنھوں نے اپنی بندوق کو چمکا کے پھر باورچی خانے کے دروازے کے قریب دو کیلوں پر ٹانگ دیا تھا۔

اِتنی احتیاط مجھے بے معنی معلوم ہوتی تھی۔ ایک ہفتہ کے بعد کھانے کے وقت میں نے پوچھ ہی لیا۔ ''کیا کوئی اور فکر کی بات پیدا ہو گئی ہے؟ وہ فلیچر والا قصہ تو ختم ہو گیا ہے نا؟''

''ختم ہو گیا؟'' شین نے اپنی کافی کی پیالی کے اوپر سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہاں بچے، وہ تو ابھی صرف شروع ہوا ہے۔''

''یہی بات ہے۔'' ابا نے کہا۔ ''فلیچر نے بات اتنی بڑھا لی ہے کہ آسانی سے ختم نہیں ہو سکتی۔ اُس کے لیے تو اب سر دھڑ کی بازی لگانے کا وقت آ گیا ہے۔ یا تو اُس نے ہمیں نکال باہر کیا اور اس سارے علاقے میں چین سے پھیل کے بیٹھا یا پھر اُسی کو دیر یا سویر یہاں سے رفو چکر ہونا پڑے گا۔ تین چار اور بھی آدمی ہیں جو یہاں پچھلے سال گشت کر کے گئے ہیں اور موقع ہو تو وہ دو دو ہاتھ کر کے قبضہ جما لینے کو تیار ہوں گے۔ میں شرط باندھتا ہوں کہ فلیچر کو اپنے پیچھے بھیڑیوں کی چاپ سنائی دے رہی ہے جن سے لگ چلنا اچھا نہ ہوگا۔''

''پھر وہ کچھ کرتا کیوں نہیں؟'' میں نے پوچھا۔ ''مجھے تو بہت دن سے آس پاس سب سنسان ہی دکھائی دیتا ہے۔''

''ہاں! یہی دکھائی دیتا ہے نا؟'' ابا بولے۔ ''تم ابھی اتنے چھوٹے ہو کہ تمھیں یہ دکھائی دیتا ہے اور وہ دکھائی دیتا ہے کرنے کی ضرورت نہیں بچو۔ تم اتنے فکروں میں نہ پڑو۔ فلیچر برابر تاک میں لگا ہوا ہے کہ کب داؤں کرے۔ اور اب وہ بہت دن کھڑا سوچتا نہ رہے گا۔ اگر مجھے اتنا معلوم ہو جاتا کہ وہ کیا کرے گا، تو بس مجھے کل پڑ جاتی......''

''تم دیکھتے ہو باپ!'' شین مجھ سے اُس انداز میں بولا جو مجھے زیادہ پسند تھا جیسے میں بھی مرد ہوں اور اُس کی باتیں اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں۔ ''فلیچر نے پہلے تو اتنی شیخیاں بگھاریں۔ اور پھر ہاتھ ڈالا تو ایسے بھونڈے طریقے سے۔ اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ معاملہ اِدھر یا اُدھر ہو کر رہے۔ یوں سمجھو کہ اُس نے ڈھیلا پھینک کر اپنے پیچھے چٹان لڑھکا لی ہے۔ اور اب اُس کی خیریت اسی میں ہے کہ بچ کر بھاگ نکلے۔ شاید ابھی یہ اُس کی سمجھ میں نہ آیا ہو مگر میرے خیال میں آ گیا ہوگا۔ اُس کی خاموشی سے ہمیں مطمئن نہ ہو جانا چاہیے۔ جب کوئی آواز سنائی دے تب تو معلوم ہو جاتا ہے کہ کیا ہو رہا ہے اور کدھر دیکھنا چاہیے۔ اور جب خاموشی ہی خاموشی ہو تو زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔''

اماں نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ شین کے منہ کی طرف دیکھ رہی تھیں جہاں بھرتے ہوئے زخم کا نشان ایک پتلی سی لکیر کی صورت میں دہانے کے قریب سے نیچے کی طرف چلا گیا تھا۔ ''میں سمجھتی ہوں تم دونوں ٹھیک ہی کہتے ہو۔ لیکن کیا لڑائی ضرور ہوکر رہے گی؟''

''اس رات کی طرح؟'' ابا نے پوچھا۔ ''نہیں میرین۔ میرے خیال میں نہیں۔ فلیچر کو اب کان ہو گئے ہیں۔''

''اسے کان ہو گئے ہیں۔'' شین نے کہا۔ ''کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس طرح کام نہ چلے گا۔ اور اگر وہ ویسا ہی آدمی ہے جیسا کہ میں اسے سمجھتا ہوں تو اس کو یہ بات اسی وقت معلوم ہو چکی تھی جب کہ پہلی دفعہ اس نے کرس کو میرے پیچھے لگایا تھا۔ مجھے اس میں شک ہے کہ اس رات کی واردات اس کے اشارے پر ہوئی۔ مجھے تو وہ مورگن کی کارستانی لگتی ہے۔ فلیچر تو کوئی اور استادی کی چال چلنے کی فکر میں ہوگا کہ معاملہ کھوٹا نہ رہے۔''

''ہوں۔'' ابا چونکنے سے ہوکر بولے۔ ''کیا کوئی قانونی چال، کیوں؟''

''ہو سکتا ہے۔ اگر اسے کوئی سوجھ گئی۔ اور اگر نہیں...... '' شین نے شانے ہلا کر کھڑکی کے باہر کی طرف دیکھا۔ ''تو اور بھی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ تم فلیچر جیسے انسان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ یہ اس پر منحصر ہوگا کہ وہ کس حد تک بڑھنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ مگر جو کچھ بھی وہ کرے گا، پوری تیاری کے بعد فوراً اور ایک ہی دفعہ کرے گا۔''

''ہوں۔'' ابا نے دوبارہ لمبا سا ہنکارا بھرا۔ ''تو تم یوں کہتے ہو۔ میرے خیال میں ٹھیک ہی کہتے ہو۔ فلیچر ٹھیک ایسا ہی آدمی ہے۔ لیکن تم تو اس جیسے آدمیوں سے پہلے ہی نپٹ چکے ہو۔'' جب شین نے کوئی جواب نہ دیا اور کھڑکی کے باہر ہی تکتا رہا تو انھوں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''کاش مجھ میں بھی اتنا صبر ہوتا جتنا تم میں ہے۔ مجھ سے رستہ نہیں تکا جاتا۔''

○

مگر ہمیں زیادہ عرصہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ اگلے دن جمعے کو جب ہم ناشتہ ختم کر رہے تھے،

لیو جانسن اور ہنری شپ سٹیڈ یہ خبر لے کر آئے کہ فلیچر واپس آ گیا ہے۔ اور اب کے وہ اکیلا نہیں آیا بلکہ ایک اور آدمی بھی اُس کے ساتھ ہے۔

جیسے ہی وہ ڈاک کی گاڑی سے اترے، لیو جانسن نے انھیں دیکھ لیا تھا۔ اُس نے اجنبی کو اچھی طرح دیکھا کیونکہ وہ دیر تک ڈاک کی چوکی کے سامنے چراگاہ کے گھوڑوں کے آنے کا انتظار کرتے رہے۔ چونکہ اندھیرا ہوتا جا رہا تھا، وہ اجنبی کا چہرہ اچھی طرح پہچان نہ سکا۔ پھر بھی چوکی کی کھڑکی میں سے آتی ہوئی مدھم روشنی میں یہ ضرور نظر آیا کہ وہ کس وضع کا آدمی ہے۔

اُس کا قد لمبا، شانے چپٹے اور کمر پھرتیلی تھی۔ چلتے وقت قدم بڑے لیے دیے اور بھاری بھرکم انداز میں رکھتا۔ مونچھیں بڑی توجہ سے بنائی گئی تھیں۔ کھڑکی کی روشنی میں جانسن کو اُس کی آنکھیں ایسی سرد نظر آئیں اور اُن میں ایک ایسی چمک تھی کہ جانسن خاصا فکرمند ہو گیا۔

اجنبی اپنے لباس سے بہت نفاست پسند معلوم ہوا۔ مگر اس سے کوئی دھوکا نہ ہونا چاہیے۔ جب وہ مڑا تو پتلون کے رنگ سے ملتا ہوا کوٹ جو اُس نے پہن رکھا تھا، سامنے سے کھلا اور جانسن نے صاف دیکھا کہ اُس کے پاس دو پستول تھے، بڑے لمبے، مضبوط، جو خانوں میں بند سامنے کی طرف نیچے لٹک رہے تھے اور اُن خانوں کی نوکیں پتلے پتلے تسموں سے اُس کی ٹانگوں سے بندھی ہوئی تھیں۔ جانسن نے اُس روشنی میں اُس کے چھوٹے چھوٹے بکسوے بھی چمکتے ہوئے دیکھے تھے۔

ولسن اُس آدمی کا نام تھا۔ جس وقت ایک گوالا گھوڑوں کی جوڑی کو ہنکاتا ہوا لایا تو فلیچر نے اُسے یہی کہہ کر پکارا تھا۔ دوسرا نام بڑا عجیب تھا، یعنی سٹارک۔ سٹارک ولسن۔ اور بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔

○

لیو جانسن فکرمند تھا اور ول اینکلے کو تلاش کرنے گرفن کی دکان تک گیا کیونکہ وہ سڑک پر آنے والوں کی بابت اور مردوں سے زیادہ باخبر رہتا تھا اور بار میں جمع ہونے والوں سے برابر سن گن لیتا رہتا تھا۔ جب جانسن نے اُسے نام بتایا تو ول نے پہلے تو اسے سنتے ہی سے

انکار کر دیا کہ ولسن آیا ہے۔ وہ یہی کہتا رہا کہ ولسن یہاں رہ کر کرے گا کیا۔ پھر آخر بول ہی اٹھا کہ ولسن تو بڑا ہی چھٹا ہوا قاتل ہے، زبردست بندوق باز، دونوں ہاتھوں سے یکساں نشانہ لگانے والا اور اچھے اچھوں کو پرے بٹھانے والا۔ وہ کنساس سے چل کر چھپنے آیا تھا۔ ول نے سنا تھا کہ وہ وہاں تین آدمیوں کے خون کی شہرت رکھتا ہے۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جنوب مغربی علاقے میں اُس نے اور کتنوں کو پار لگایا ہوگا جہاں وہ پہلے رہتا تھا۔

لیو جانسن پٹر پٹر بولے چلا جا رہا تھا اور اپنے خیال کے مطابق حاشیے بھی چڑھاتا جا رہا تھا۔ ہنری شِپ سٹیڈ چولہے کے قریب ایک کرسی میں دھنسا بیٹھا تھا۔ ابا اپنے پائپ کو تیوری چڑھائے دیکھ رہے تھے اور کھوئے ہوئے سے عالم میں دیاسلائی کے لیے جیب ٹٹول رہے تھے۔ آخر شین نے جانسن کا منہ بند کیا اور اس طرح کہ دفعتہً ہم سب چونک پڑے۔ اُس کی آواز تیز اور صاف تھی اور گونج سی گئی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کہ اس کمرے اور اس میں بیٹھے ہوئے سب لوگوں کی حفاظت کا ذمہ اُس نے تنہا اپنے سر لے لیا ہے۔

''وہ بستی میں پہنچے کب؟''

''کل رات!''

''اور تم نے ہمیں اب بتایا ہے۔'' شین کی آواز سے بیزاری ٹپک رہی تھی۔ ''تم کاشتکار ہو جانسن۔ مگر بس کاشتکار ہی رہو گے۔'' اب وہ ابا کی طرف مخاطب ہوا۔ ''جلدی کرو جو، یہ بتاؤ کہ ان میں سب سے جلد باز کون ہے۔ کس کو آسانی سے بھڑکا کر بے وقوف بنایا جا سکتا ہے؟ توری ہے نا؟ یا رائٹ؟''

''ایرنی رائٹ۔'' ابا نے آہستہ سے کہا۔

''اُٹھ کھڑے ہو جانسن۔ گھوڑے پر سوار ہو کر فوراً رائٹ کے پاس پہنچو اور اُسے یہاں لے آؤ۔ توری کو بھی ساتھ لیتے آؤ۔ مگر رائٹ پہلے۔''

''انھیں اُن کے پیچھے بستی تک جانا پڑے گا۔'' ہنری شِپ سٹیڈ نے بھاری آواز میں کہا۔ ''سڑک پر سے آتے ہوئے ہم نے اُن دونوں کو اُسی طرف سواری کرتے دیکھا تھا۔''

شین ایک دم کھڑا ہو گیا۔ لیو جانسن بد دلی سے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس نے اُسے ایک طرف ہٹا دیا اور خود دروازے کی طرف بڑھا۔ اُس کو جھٹکے کے ساتھ کھولا اور دم بھر میں باہر تھا۔ پھر رکا اور جھک کر کچھ سننے لگا۔

''ذرا تسلی رکھو بھلے آدمی۔'' ہنری شپ سٹیڈ بڑبڑایا۔ ''تمھیں جلدی کا ہے کی ہے؟ ہم نے اُنھیں ولسن کے بارے میں بتا دیا تھا۔ وہ واپسی پر یہاں رکیں گے۔'' وہ چپکا ہو گیا۔ اور اب ہم کو بھی وہ آہٹ سنائی دینے لگی۔ ایک گھوڑا پوری رفتار سے سڑک پر دوڑا چلا آ رہا تھا۔

شین پلٹ کر واپس کمرے میں آیا۔ ''لو وہ ہے تمھاری بات کا جواب۔'' اُس نے تلخی سے کہا اور سب سے قریب والی کرسی دیوار کے پاس گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ ایک لمحہ پہلے جو شعلہ سا اُس میں بھڑکا تھا وہ بجھ چکا تھا۔ وہ اپنے خیالات میں کھو گیا۔ اور یہ خیالات خوشگوار نہیں، بڑے مہیب معلوم ہوتے تھے۔

ہم نے گھر کے سامنے گھوڑے کے قدموں کے رکنے کی آواز سنی۔ آواز اتنی صاف تھی کہ گھوڑے کے اگلے قدم جمتے اور کھر زمین میں گڑتے صاف معلوم ہوئے۔ فرینک توری تیزی سے دروازے میں داخل ہوا۔ اُس کی ٹوپی غائب اور بال وحشیانہ طور پر بکھرے ہوئے تھے، اور سینے میں سانس اس طرح چل رہا تھا جیسے وہ بھی گھوڑے کے ساتھ دوڑتا ہوا آیا ہو۔

اُس نے اپنے آپ کو سہارا دینے کے لیے دروازے کا مٹھہ تھام لیا۔ اُس کی آواز دھنسی ہوئی سی سرگوشی کے انداز میں نکلی حالانکہ وہ کمرے کے اُس پار بیٹھے ابا سے چلا کر کہنا چاہتا تھا۔

''ایرنی کے گولی لگ گئی۔ انھوں نے اُسے مار دیا!''

یہ سنتے ہی ہم سب ہڑبڑا کر کھڑے ہو گئے۔ سب کے سب، سوائے شین کے۔ اُس نے جنبش نہیں کی۔ یہ محسوس ہوتا تھا کہ توری نے جو کچھ کہا اُس سے اُس کو کوئی واسطہ ہی نہیں۔

آخر ابا بولے۔ ''اندر آ جاؤ فرینک۔ میں سمجھتا ہوں اب ایرنی کی مدد کرنے کا وقت تو نکل چکا۔ بیٹھ جاؤ اور ساری بات سناؤ۔ کچھ باقی نہ چھوڑنا۔'' وہ فرینک توری کو ایک کرسی تک لائے اور اُس میں زبردستی گویا اُسے دھکیل دیا۔ پھر وہ دروازہ بند کر کے اپنی کرسی پر آئے۔ وہ

ایک دم بوڑھے اور تھکے ہوئے معلوم ہونے لگے۔

○

فرینک نورری کو اپنے اوسان درست کرنے اور پوری داستان سنانے میں کافی دیر لگی۔ وہ بڑا سہما ہوا تھا۔ خوف اُس کے دل میں بری طرح بیٹھ گیا تھا اور وہ اس پر شرمندہ بھی معلوم ہوتا تھا۔

اُس نے ہمیں بتایا کہ وہ اور ایرنی رائٹ ایک پارسل کو پوچھنے جو اُس کے پاس آنے والا تھا، ڈاک کی چوکی تک گئے تھے۔ واپسی سے پہلے تازہ دم ہونے کے لیے گرافنن کی دوکان تک چلے گئے۔ چونکہ کچھ دن سے فضا پرسکون تھی، انھیں کسی گڑبڑ کا گمان تک نہ گزرا۔ اگرچہ اُنھوں نے فلیچر اور اُس کے نئے آدمی سٹارک ولسن کو بڑی میز پر پوکر کھیلتے ہوئے بھی دیکھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ فلیچر اور ولسن ایسے موقع کی تاک ہی میں تھے۔ اُنھوں نے اپنے اپنے پتے پھینک دیے اور اُٹھ کر بار تک آ گئے۔

فلیچر بڑی نیکی کی دُھن میں تھا اور بڑی نرمی سے بات کر رہا تھا۔ نورری کو دیکھ کر سر کا اشارہ کیا اور ایرنی سے باتیں کرنے لگا۔ اُس نے بڑے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اُسے واقعی اُس زمین کی سخت ضرورت تھی جس پر ایرنی نے اپنا قبضہ جتایا تھا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں جاڑوں میں ہوا سے بچاؤ کے لیے گلّے کے لیے شامخر بنائے جا سکتے تھے، اور گلّے وہ جلد لانے والا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایرنی نے اب تک اپنے دعوے کا ثبوت پیش نہیں کیا ہے پھر بھی وہ اُسے ایک مناسب رقم دینے پر آمادہ تھا۔

''میں تم کو تین سو ڈالر دوں گا۔'' اُس نے کہا۔ ''اور یہ اس سے بہت زیادہ ہے جتنا تمھاری عمارت کے کباڑ سے مجھے حاصل ہو سکے گا۔''

ایرنی اب تک اُس جگہ پر اس سے کہیں زیادہ رقم کھپا چکا تھا۔ اُس نے پہلے بھی فلیچر کی تجویز کو تین چار مرتبہ رد کر دیا تھا۔ اب کے فلیچر نے پھر وہی ذکر آہستگی سے چھیڑا تو وہ حسب عادت پھر چراغ پا ہو گیا۔

''ہرگز نہیں!'' اُس نے مختصر سا جواب دیا۔ ''میں اپنی زمین نہیں بیچ رہا ہوں۔ اب نہ کبھی اور......''

فلیچر نے اپنے کندھوں کو اس انداز سے جنبش دی جیسے وہ اس بارے میں اپنی طرف سے ہر کوشش کر کے دیکھ چکا ہے، اور سارک ولسن کو پھرتی سے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔ ولسن ایرنی کی طرف دیکھ کر زیرِ لب مسکرایا۔ مگر فرینک نورری کا کہنا تھا کہ اُس کی آنکھوں میں تو دور دور تک مسکراہٹ کا نشان نہ تھا۔

''میں تمھاری جگہ ہوتا تو اپنا خیال بدل دیتا۔'' اُس نے ایرنی سے کہا۔ ''بشرطیکہ تمھارے بھیجے میں کوئی خیال بھی ہو۔''

''تم اس میں دخل مت دو جی۔'' ایرنی نے تڑاق سے جواب دیا۔ ''یہ تمھارا معاملہ نہیں ہے۔''

''اچھا، تو تمھیں خبر نہیں ہے شاید۔'' ولسن نے آہستہ سے کہا۔ ''میں مسٹر فلیچر کا نیا کارندہ ہوں۔ ان کے سارے معاملے میں ہی کرتا ہوں۔ خاص کر تم جیسے اڑیل گدھوں کے ساتھ جتنے معاملے ہیں۔'' پھر اُس نے وہ بات کی جو ضرور فلیچر نے کہلوائی ہوگی۔ ''تم بڑے اُلّو ہو رائٹ۔ مگر دوغلوں سے اس کے سوا توقع بھی کیا ہو......!''

''یہ قطعی جھوٹ ہے۔'' ایرنی چلّایا۔ ''میری ماں انڈین نہیں تھی۔''

''تم ادنیٰ درجے کے دوغلے انسان۔ تمھاری یہ ہمت کہ مجھے جھوٹا بتاؤ؟''

''میں تمھارے منہ پر کہتا ہوں کہ تم بڑی گھٹیا مخلوق اور نرے لپاڑیے ہو۔''

سیلون میں ایسا سناٹا چھایا، نورری نے بتایا، کہ بار کے پیچھے الماری پر رکھی ہوئی پرانی الارم گھڑی کی ٹِک ٹِک صاف سنائی دے رہی تھی۔ ایرنی نے بھی اپنی بات منہ سے نکالتے ہی محسوس کر لیا تھا کہ اس کا نتیجہ کیا ہونے والا ہے۔ مگر وہ تو جیسے غصے میں پاگل ہو رہا تھا۔ اُس نے ولسن کی طرف گھور کے دیکھا۔ اُس کی آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ آپے سے باہر ہو چکا ہے۔

''اچھا۔'' ولسن نے لفظ کو آہستہ سے کھینچتے ہوئے کہا جس میں دھمکی کا تیور موجود تھا۔ اپنے کوٹ کا دامن سامنے سے داہنی طرف سرکایا اور پستول خانے سے باہر نکل پڑا جس کا قبضہ اُس کے ہاتھ کی گرفت کے لیے تیار تھا۔

''یا تو تم ہامی بھرو گے رائٹ، یا پیٹ کے بل رینگتے ہوئے یہاں سے جاؤ گے۔''

ایری ہار سے ایک قدم پیچھے ہٹا۔ اُس نے دونوں بازو اکڑا لیے تھے اور اُس دھمکی کے جواب میں غصے سے تن کر رہ گیا تھا جو مجسم ہو کر اُس کے سامنے تھی۔ وہ اُس کا منشا خوب جانتا تھا مگر اُس نے ڈٹ کر اُس کا مقابلہ کیا۔ اُس کا اپنا پستول اُس کی گرفت میں تھا۔ وہ اُسے کھینچنے ہی چاہتا تھا کہ ولسن نے پہلی گولی چلا دی۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ دوسری گولی لگنے پر وہ آدھی دور چکرا کر آیا اور اُس کے ہونٹوں پر ہلکا سا کف جھلکنے لگا۔ اُس کا چہرہ سُت گیا اور وہ ڈھیر ہو کر گر پڑا۔

○

جب فرینک ٹورری قصہ بیان کر رہا تھا تو جم لیوس اور چند منٹ بعد ایڈ باولز بھی آ پہنچے تھے۔ بری خبر آناً فاناً پھیلتی ہے، اور انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ خیریت نہیں ہے۔ شاید انھوں نے رات کی خاموشی میں دور دور گونجتی ہوئی گھوڑے کے سرپٹ دوڑنے کی آواز سن لی ہوگی۔ اب وہ سب ہمارے باورچی خانے میں جمع تھے اور پہلے سے کہیں زیادہ سنجیدہ اور ہراساں نظر آ رہے تھے۔

میں اماں کی گود سے لگا بیٹھا تھا اور اپنی گردن میں اُن کے بازو مجھے بہت غنیمت معلوم ہو رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اُن کی توجہ دوسرے مردوں کی طرف نہ تھی بلکہ وہ شین ہی کو کمرے کے دوسرے سرے پر خاموشی اور غمگینی سے تک رہی تھیں۔

''تو یہ واردات ہوئی۔'' ابا نے تلخ لہجہ میں کہا۔ ''اب تو ہمیں ٹھہرنا ہی ہوگا۔ یا تو ہم اُس کے داؤں پر سیدھی طرح بیچ کر فارغ ہو جائیں یا وہ اپنے کرائے کے خونی کو ہم پر لشکار دے گا۔ کیا ولسن تمھاری طرف نہیں بڑھا فرینک؟''

''اُس نے میری طرف بھی دیکھا تھا۔'' اور محض اِس کے تصور ہی سے ٹورری کانپ

اٹھا۔ ''اُس نے میری طرف دیکھا اور کہا، ''بہت برا ہوا ہے نا مسٹر؟ اس جانبار رائٹ نے اپنی رائے نہیں بدلی۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''میں وہاں سے جھٹ نکل آیا۔ یہاں پہنچا۔''

جم لیوس اپنی نشست پر سے پہلو بدل رہا تھا اور اُس کی بے چینی ہر لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ اب وہ یکلخت اچھل کر کھڑا ہو گیا اور تقریباً چلا اُٹھا۔ ''جو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی آدمی لوگوں پر گولیاں چلاتا پھرے۔''

''چپ بھی رہو جم۔'' ہنری شپ سٹیڈ بڑبڑایا۔ ''تم اُس کی چال کو نہیں دیکھتے۔ ولسن ایری کو ایسے پینترے پہ لایا کہ ایری کو خود ہتھیار پر ہاتھ بڑھانا پڑا۔ اب وہ یہ کہنے کا حق دار ہو گیا ہے کہ اُس نے تو اپنی جان کی حفاظت کے لیے گولی چلائی تھی۔ اور یہی داؤں وہ ہم میں سے ہر ایک پر کرے گا۔''

''بالکل ٹھیک جم۔'' لیو جانسن بیچ میں بولا۔ ''ہم یہاں کسی بڑے لشکری کو بھی لے آئیں تو وہ ولسن کو قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ یہ برابر کا مقابلہ تھا۔ اور جو زیادہ پھرتیلا تھا، وہ جیت گیا۔ اس بات کو بہت سے لوگ اسی طرح کہیں گے اور کتنوں نے تو خود ہی دیکھا۔ اور جب تک کوئی لشکر حمایت پر آئے، قصہ ختم ہو گا۔''

''ہم اُس کو روک کر رہیں گے۔'' لیوس اب بیچ بچ چیخ اُٹھا۔ ''ہم میں سے کون ولسن کے سامنے پڑ سکتا ہے؟ ہم میں سے کوئی نشانہ باز نہیں ہے۔ ہم تو بس ایک مٹھی بھر کسان اور گڈریے ہیں۔ تم اسے کچھ بھی کہو، میں تو اسے کھلا قتل کہوں گا۔''

''قطعی۔'' یہ لفظ کمرے کی فضا کو چیرتا ہوا سا نکلا۔ شین اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کا چہرہ تنا ہوا تھا اور جبڑے کے اِدھر اُدھر پتھریلے اُبھار دکھائی دیتے تھے۔ ''ہاں۔ یہ کھلا قتل ہے۔ کوئی اسے چالاکی سے مدافعت کہے یا لفظی سے برابر کی چوٹ ثابت کرے۔ مگر ہے یہ پھر بھی قتل!''

اُس نے ابا کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں گہرے کرب کے آثار تھے۔ مگر

جب وہ دوسروں سے مخاطب ہوا تو لہجے سے حقارت ٹپک رہی تھی۔

"تم پانچوں اپنے بلوں میں جا گھسو۔ تم کو کوئی فکر کرنے کی فی الحال ضرورت نہیں۔ جب وقت آئے، بچ کر بھاگ کھڑے ہونا۔ فلیچر کو اب تم جیسوں کی پروا نہیں ہے۔ اس نے ایسی ویسی بازی نہیں لگائی اور اُسے اپنی چالیں معلوم ہیں۔ رائٹ کو نشانہ بنا کر اُس نے اپنا منشا بتا دیا ہے۔ بات صاف ہوگئی ہے۔ اب اُس کا رخ اس وادی کے ایک ہی مردِ میدان کی طرف ہوگا۔ ایک ہی آدمی جس نے تم لوگوں کو یہاں بسائے رکھا، اور جب تک دم میں دم ہے تمھارا حق دلانے کی کوشش میں لگا رہے گا۔ اور اِس لمحے بھی تمھارے اور فلیچر اور ولسن کے درمیان ایک آڑ بن کر کھڑا ہے۔ تم کو شکرگزار ہونا چاہیے کہ اِس ملک میں کبھی کبھی جو سٹیریٹ جیسا جیالا انسان بھی پیدا ہو ہی جاتا ہے۔"

"اور ایک شین جیسا آدمی بھی۔" نامعلوم یہ الفاظ میرے ذہن میں اُبھرے یا اماں نے سرگوشی کے انداز میں کہے۔ اُنھوں نے پہلے اُسے اور پھر ابا کی طرف دیکھا، اور اُن کے دل میں ہراس کے ساتھ ساتھ ایک طرح کے غرور کا احساس بھی معلوم ہوتا تھا۔

ابا اپنے پائپ کو الٹ پلٹ رہے تھے اور اُسے بھرنے اور اُس سے کھیلنے میں اِس طرح مصروف جیسے یہی کام اُن کی ساری توجہ کا محتاج تھا۔ دوسرے محض کسمساتے رہے۔ شین نے جو کچھ کہا تھا، وہ اُس سے مطمئن ہوئے تھے مگر اِس اطمینان پر کچھ خجل بھی تھے۔ اُنھیں شین کی بات کا انداز بہت کھٹک رہا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے اِس گندے کاروبار کے متعلق تم تو بہت کچھ جانتے ہو۔" ایڈ ہاوٹز نے کہا۔ اُس کے لہجے سے کدورت کا اظہار ہوتا تھا۔

"ہاں! بے شک۔" شین نے فقرہ یہیں تک رہنے دیا۔ سادہ، مختصر، لیکن ناخوشگوار۔ اُس کا چہرہ خشمناک تھا اور اُس کے نقوش کی کرختگی کے پیچھے ایک غم کی جھلک پھوٹ پڑنے پر آمادہ معلوم ہوتی تھی۔ مگر وہ ہاوٹز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ ہاوٹز نے آنکھیں جھکا لیں اور اپنا رخ دوسری طرف کر لیا۔

ابا کا پائپ چلتا رہا۔ "ہوسکتا ہے کہ ہم میں سے جو باقی ہیں، وہ اس مقابلہ میں زیادہ اچھے رہیں۔" انھوں نے آہستہ سے کہا۔ "یہ شین جو ہمارے ساتھ ہیں، کافی تجربہ کار آدمی ہیں۔ یہ ہماری طرف سے اس بازی کی اگلی چال چل سکتے ہیں۔ ایرنی نہ مرتا جانسن اگر تم میں اتنی سمجھ ہوتی کہ تم ہمیں ولسن کے بارے میں پہلے ہی پوری بات بتا دیتے۔ یہ غنیمت ہے کہ ایرنی بال بچے دار آدمی نہ تھا۔" پھر وہ شین سے بولے۔ "اب تمھارا فلیچر کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اُس نے اپنا مطلب تو صاف صاف بتا ہی دیا۔"

شین کے چہرے سے ظاہر تھا کہ کچھ کر کے دکھانے کا موقع ہاتھ آنے کا کیا ذکر، صرف اس کا ذکر ہی چھڑنے سے اُس کی کوفت کم ہوگئی ہے۔

"وہ کل ہی علی الصبح رائٹ کی زمین پر قبضہ کرے گا۔ وہ اب سے دریا کے اس پار بہت سے آدمیوں کو لگائے رکھے گا۔ غالباً کچھ جانور بھی ان رہائشی مکانوں کے پیچھے لا کر چھوڑ دے گا تاکہ تم پر دباؤ پڑتا رہے۔ رہا یہ کہ وہ تم سے کتنی جلدی مقابلے پر آمادہ ہوگا، جو، یہ اس پر منحصر ہے کہ اُس کا اندازہ تمھارے بارے میں کیا ہے۔ اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ تم جی چھوڑ جاؤ گے تو وہ انتظار کرے گا تاکہ تم رائٹ کے واقعے سے سبق لے کر خود ہی راہِ راست پر آجاؤ۔ اور اگر وہ واقعی تم کو جانتا ہے تو ایک دو دن سے زیادہ نہ ٹھہرے گا تاکہ اُسے اطمینان ہو جائے کہ تم کو سوچنے کا وقت مل چکا ہے، اور وہ موقع نکال کر ولسن کو تم پر چھوڑ دے گا۔ اور رائٹ کی طرح وہ چاہے گا کہ یہ مقابلہ کھلے عام ہو جہاں بہت سے گواہ مل سکیں۔ اگر تم اُسے موقع نہ دو گے تب بھی وہ موقع نکالے گا۔"

"ہوں۔" ابا نے کھینچ کر کہا۔ "مجھے یقین تھا کہ تم مجھے صاف صاف ہی بتاؤ گے۔ اور یہ بات ٹھیک ہی معلوم ہوتی ہے۔" اُنھوں نے ایک لمحے کو پائپ کا کش لیا۔ "میں سمجھتا ہوں بھائیو کہ چند دن ضرور انتظار کرنا پڑے گا۔ خیر۔ کوئی فوری خطرہ پھر بھی نہیں ہے۔ گرافٹن والے آج رات ایرنی کی لاش کی حفاظت کریں گے۔ ہم اُس کے دفن کے لیے کل بستی میں جمع ہوں گے۔ اس کے بعد بہتر ہوگا کہ ہم قصبہ سے دور ہی رہیں اور جہاں تک ہو سکے گھروں سے باہر

نہ جائیں۔ میرا خیال ہے کہ تم سب اس بارے میں سوچو اور کل رات پھر یہیں جمع ہو جاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ ہم کوئی حل سوچ نکالیں۔ اور اس سے پہلے کہ میں کچھ فیصلہ کروں، میں یہ بھی جاننا چاہتا ہوں کہ بستی کے لوگ اس واقعے پر کیا کہتے ہیں۔"

وہ اس بات کو یہیں ختم کرنے پر تیار بیٹھے تھے۔ وہ اس قصے کو ابا ہی کے سر چھوڑ دینے پر آمادہ تھے۔ وہ امن پسند لوگ تھے اور ہمسایہ داری کو مانتے تھے، لیکن فیصلہ اُن پر چھوڑا جاتا تو اُن میں سے ایک بھی اب فلیچر کے مقابلے پر کھڑا نہ ہوتا۔ وہ اُسی وقت تک وہاں ٹھہر سکتے تھے کہ ابا اُن کے ساتھ ہوتے۔ اُن کے پاؤں اکھڑتے تو پھر فلیچر جو چاہتا کرسکتا تھا۔ جس وقت اُنھوں نے زیرِلب شب بخیر کہا اور ایک ساتھ نکل کر سڑک پر اپنی اپنی راہ لی تو اُن کے احساسات بالکل یہی معلوم ہوتے تھے۔

○

ابا دروازے میں کھڑے اُن کو جاتا دیکھتے رہے۔ جب وہ اپنی کرسی پر واپس آئے تو اُن کے قدم سست تھے اور وہ بہت ہی تھکے ماندے نظر آ رہے تھے۔ "کل کسی کو ایرنی کے گھر جا کر اُس کی چیزیں اکٹھی کرنی ہوں گی۔ اُس کے رشتے دار آیووا میں کہیں رہتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔" شین کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔ "تم اُس جگہ کے قریب ہرگز نہیں جاؤ گے۔ ہوسکتا ہے کہ فلیچر اِسی کے انتظار میں ہو۔ یہ کام گرافٹن کرسکتا ہے۔"

"لیکن ایرنی میرا یار تھا۔" ابا نے سادگی سے کہا۔

"ایرنی اب دوستی کا محتاج نہیں رہا۔ اب تم پر زندوں کا حق ہے۔"

ابا نے شین کو دیکھا۔ اُن کا دھیان ماضی سے ہٹ کر پھر موجودہ ماحول میں پہنچ گیا اور اُن کی طبیعت بحال سی نظر آنے لگی۔ اُنھوں نے اثبات میں سر ہلایا اور اماں کی طرف مخاطب ہوئے جو اُن سے جرح کرنے کو بے تاب تھیں۔

"تم دیکھتی نہیں جو۔ اگر تم فلیچر یا ولسن کے آس پاس نہ پھٹکو تب سب ٹھیک رہے گا۔ وہ ولسن جیسے آدمی کو اِس چھوٹی سی وادی میں ہمیشہ نہیں ٹھہرا سکتا۔"

وہ بہت تیزی سے بول رہی تھیں اور میں جانتا تھا کہ کیوں۔ وہ ابا کو قائل کرنے سے زیادہ خود اپنے کو قائل کرنے کی کوشش میں تھیں۔ ابا بھی اس بات کو سمجھتے تھے۔

''نہیں میرین۔ کون عزت دار آدمی خرگوش کی طرح کسی بھٹ میں چھپ کر رہ سکتا ہے۔''

''اچھا خیر۔ لیکن کیا تم چپ نہیں بیٹھ سکتے تاکہ وہ تم سے روک ٹوک نہ کرے اور خواہ مخواہ نوک جھوک نہ نکالے۔''

''اس سے بھی کام نہیں چلے گا۔'' ابا بڑے سنجیدہ تھے۔ مگر ان کی کیفیت پہلے سے بہتر تھی اور ہمت بندھی ہوئی تھی۔ ''آدمی نوک جھوک بھی سہہ سکتا ہے اگر سہنی پڑے، خصوصاً اگر اوسان قائم رکھے۔'' اُن کی نظر مجھ پر پڑی۔ ''لیکن بعض باتیں آدمی نہیں سہہ سکتا۔ ہاں نہیں سہہ سکتا، جب کہ اُسے تنہا دن گزارنے ہوں۔''

میں چونک پڑا کیونکہ شمین نے ایک گہرا لمبا سانس لیا۔ وہ اپنی کسی اندرونی کیفیت کا مقابلہ کررہا تھا، وہی اُس کا پرانا چھپا ہوا اضطراب۔ اور اُس کے زرد چہرے پر اُس کی آنکھیں سیاہ اور کرب آلود نظر آرہی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہماری طرف نہیں دیکھ سکتا۔ وہ دروازے کی طرف آیا اور باہر نکل گیا۔ اُس کے قدموں کی چاپ کھلیان کی طرف جاتے جاتے غائب ہوگئی۔

اب میں ابا کو دیکھ کر چونک پڑا۔ وہ خود بھی گہرے گہرے سانس لے رہے تھے۔ وہ کھڑے ہوگئے اور ادھر اُدھر ٹہلنے لگے۔ پھر اماں سے مخاطب ہوئے اور اُن پر برس ہی پڑے۔ اُن کی آواز وحشت ناک حد تک شدت اختیار کرچکی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ شمین کے تغیر کو وہ پہچان گئے ہیں اور یہ احساس کئی ہفتوں سے اُنھیں گھلاتا رہا ہے۔ ''یہی ایک بات ہے میرین جو میں برداشت نہیں کرسکتا۔ ہم اُس کے ساتھ کتنی زیادتی کررہے ہیں۔ میرے ساتھ جو کچھ بھی ہو ٹھیک ہے۔ میں بہت بڑھ بڑھ کر بولتا ہوں اور بے شک میں اپنے آپ کو حقیر بھی نہیں سمجھتا۔ دراصل کسی بات میں بھی میرا پلہ اُس سے بھاری نہیں ہے۔ میں یہ خوب جانتا ہوں۔

اگر میں پہلے ہی اُسے اچھی طرح جان گیا ہوتا تو ہرگز یہاں نہ ٹھہراتا۔ لیکن مجھے کیا خبر تھی کہ فلیچر اس حد تک بڑھ جائے گا۔ شین اس وادی میں آنے سے پہلے ہی اپنی بازی جیت چکا ہے۔ وہ پہلے ہی بہت کچھ جھیل چکا ہے۔ کیا ہم اُس کو محض اپنی خاطر اُس مردود کے مقابلے پر بھیج دیں۔ چلو فلیچر کو من مانی ہی کرنے دو۔ ہم بیچ کھوچ کر کہیں اور اُٹھ جائیں گے۔''

میں سوچ نہیں رہا تھا۔ میں صرف محسوس کر رہا تھا۔ مجھے شین کی انگلیاں آپ سے آپ اپنے بالوں میں پیوست ہوتی اور میرے سر کو آہستہ آہستہ جنبش دیتی محسوس ہوئیں۔ میں بے اختیار چلایا۔ ''ابا شین بھاگ کر نہیں جا سکتا۔ وہ کسی چیز سے بھی بھاگ کر نہ جائے گا۔''

ابا ٹہلتے ٹہلتے رک گئے۔ اُن کی آنکھیں حیرت سے بھنچ گئیں۔ وہ مجھے دیکھے بغیر مجھے تکتے رہے۔ وہ اماں کی بات سن رہے تھے۔

''باب ٹھیک کہتا ہے جو۔ ہم شین کی توقع کو جھٹلا نہیں سکتے۔'' بڑی عجیب بات تھی کہ اُن کی زبان سے وہی بات نکلی جو اُنھوں نے شین سے کہی تھی، محض نام کی تبدیلی کے ساتھ۔ وہ پھر بولیں۔ ''ہم اگر اس جگہ سے بھاگ نکلے تو وہ ہمیں کبھی معاف نہ کرے گا۔ بالکل یہی بات ہے۔ اب یہ فلیچر کو نیچا دکھانے کا معاملہ نہیں رہا۔ یہ اُس زمین کو اپنے قبضے میں رکھنے کا معاملہ نہیں رہا جو فلیچر کو اپنے اصطبل کے لیے چاہیے ہے۔ ہمیں اپنے آپ کو ویسا ہی کر کے دکھانا ہے جیسا شین ہمیں سمجھتا ہے۔ باب ٹھیک کہتا ہے۔ وہ اس قسم کے مقابلے سے کبھی منہ نہ موڑے گا، اور اسی لیے ہم بھی نہیں موڑ سکتے۔''

''میرین میری سنو۔ تم یہ نہ سمجھو کہ میں سچ مچ بھاگ نکلنے پر آمادہ ہوں۔ نہیں۔ تم مجھے خوب جانتی ہو۔ میرا خمیر ہی اور ہے۔ لیکن میرا یہ غرور اور یہ زمین اور یہ سب منصوبے جو ہم نے باندھ رکھے ہیں، اس ایک آدمی کے مقابلے میں کیا حقیقت رکھتے ہیں؟''

''میں جانتی ہوں جو۔ لیکن تمھاری نظر زیادہ دور نہیں گئی۔''

وہ دونوں مسلسل بول رہے تھے۔ بغیر کسی وقفہ کے ایک دوسرے کی بات بھی سن رہے تھے اور اپنے مطلب کو صاف کرنے کے لیے الفاظ کی جستجو بھی کر رہے تھے۔

''میں اچھی طرح نہیں سمجھا سکتی جو، لیکن میں اتنا جانتی ہوں کہ ہم پر ایک ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو ہم میں سے ہر ایک کے مقابلے میں بلند تر ہے۔ اور بھاگ جانا ہر اُس مصیبت سے زیادہ برا ہوگا جو ہم پر گزر سکتی ہے۔ پھر ہماری آئندہ زندگی میں ہمارے لیے درحقیقت کچھ نہ رہ جائے گا۔ حتیٰ کہ باب کے لیے بھی۔''

''ہوں۔'' ابا نے کہا۔ ''نورری بھاگ کر جا سکتا ہے۔ جانسن اور باقی دوسرے بھی۔ اُن کے لیے یہ کچھ ایسا مشکل نہ ہوگا۔''

''جو۔ جو سٹیریٹ۔ کیا تم مجھے پاگل کر کے چھوڑو گے۔ میں اُن کا ذکر نہیں کر رہی ہوں۔ ذکر ہمارا ہے ہمارا۔''

''ہوں۔'' ابا نے آہستہ سے کہا، گویا اپنے آپ سے کہا۔ ''جینے کا مزہ تو جاتا ہی رہے گا۔ کچھ لطف باقی نہ رہے گا۔ زندگی تقریباً بے معنی ہو جائے گی۔''

''او جو۔ جو۔ یہی بات تو میں کہنا چاہتی ہوں۔ اور بات کسی نہ کسی طرح بن ہی جائے گی۔ یہ میں نہیں بتا سکتی کہ کس طرح۔ ہم واقعی صبر سے جھیل جائیں، مستعد رہیں اور ایک دوسرے پر بھروسا رکھیں تو کوئی حل ضرور نکلے گا۔ کیونکہ آخر نکلنا تو ہے ہی۔''

''تمھاری عورتوں کی سمجھ ہے میرین۔ لیکن خیر، تم تو تقریباً ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔ ہم اس قصے کو بھگت لیں گے۔ اس کے لیے بہت زیادہ ہوشیاری اور سمجھ بوجھ سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ ہم فلیچر سے زیادہ ثابت قدم رہیں اور اُس کی چالیں دھری ہی رہ جائیں۔ بستی بہت دن ولسن والی شرارت کی روادار نہ ہوگی۔ ویئر جیسے لوگ تو کچھ اور ہی سوچ رہے ہیں......''

ابا اب نسبتاً بشاش تھے کیونکہ اُن کے خیالات سلجھتے جا رہے تھے۔ مجھے سونے کے لیے بھیجنے کے بعد ابا اور اماں دیر تک آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہے۔ میں اپنے چھوٹے سے کمرے میں لیٹا کھڑکی میں سے دور تاریکی میں ستاروں کی گردش دیکھتا رہا، یہاں تک کہ سو گیا۔

باب-۱۴

صبح کے سورج سے ہمارا گھر اور اُس کے باہر کی ساری دنیا جگمگا اُٹھی۔ ہم نے سیر ہوکر ناشتہ کیا۔ ابّا اور شین کافی دیر تک ناشتے میں مصروف رہے اِس لیے کہ گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے کے لیے جلدی اُٹھ گئے تھے اور اب بستی کو جانے کے لیے تیار تھے۔ وہ فی الفور گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چل دیے۔ میں گھر کے سامنے اداس کھڑا رہا اور کسی کام میں جی نہ لگا سکا۔

برتن دھونے سے فارغ ہونے کے بعد اماں نے مجھے سڑک کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھا تو برساتی میں بلا لیا۔ وہ ہمارا چوسر کے کھیل کا پرانا تختہ نکال لائیں۔ کھیل کے دوران میں اُن سے جیتنے کے لیے مجھے کافی زور لگانا پڑا۔ وہ اِس طرح کہ اماں کھیلوں میں بڑی مشاق تھیں۔ بچوں کی طرح جوش میں آ جاتیں۔ بڑے نمبروں اور ڈبل نمبروں کے شمار پر بڑی جت کرتیں اور اپنی گوٹ آگے بڑھاتے ہوئے بڑے فخر سے اونچی آواز میں اپنے نمبر گنتی جاتیں۔

جب میں مسلسل تین بازیاں جیت چکا تو اُنھوں نے تختہ اُٹھا کر رکھ دیا اور دو بڑے بڑے سیب اور میری محبوب کتابوں میں سے ایک کتاب اُٹھا لائیں جو اُن کے پاس اُس وقت سے تھیں جب وہ خود سکول پڑھاتی تھیں۔ وہ سیب کھانے کے ساتھ ساتھ مجھے کتاب پڑھ کر سناتی رہیں۔ دیکھتے دیکھتے سائے چھوٹے ہوگئے اور اُنھیں کھانے کے لیے دوڑ کر اندر جانا پڑا۔ ابّا اور شین گھوڑوں پر سوار کھلیان کی طرف آ رہے تھے۔

جس وقت وہ کھانا میز پر رکھ رہی تھیں ابّا اندر آئے۔ ہم بیٹھ گئے، اور کچھ چھٹی سی معلوم ہونے لگی۔ کچھ اِس لیے نہیں کہ یہ کام کا دن نہ تھا بلکہ اِس لیے کہ بڑی پُرلطف باتیں ہو رہی تھیں۔ وہ دونوں طے کر چکے تھے کہ اِس فلیچر والے قصے کی خاطر ناحق اپنا وقت بے مزا نہ کریں گے۔ جو کچھ بستی میں گزری ابّا اُس پر مسرور تھے۔

"ہاں جناب!" کھانے کے ختم ہونے پر وہ کہہ رہے تھے۔ "ایرنی کے آخری فرائض بہت اچھے طریقے سے ادا ہوئے۔ وہ غریب بھی اس سے زیادہ اور کیا چاہتا۔ ڈرافٹن نے بہت پیاری تقریر کی۔ اور قسم ہے اُس نے جو کچھ کہا، دل سے کہا۔ اُس بھلے مانس ویئر اور اُس کے ہاتھ تلے کے آدمی نے سچ مچ بہت ہی اچھا تابوت تیار کیا تھا۔ اور ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ سمز جو کان پر کام کرتا ہے ایک عمدہ سا پتھر بھی تلاش کر لائے گا اور وہ بھی کوئی پیسہ نہیں لے گا۔ میں تو بھیڑ کو دیکھ کر حیران تھا۔ کسی زبان پر فلیچر کے لیے ایک بھی اچھا لفظ نہ تھا، اور اُس وقت وہاں کوئی تیس آدمی تو ہوں گے۔"

"چونتیس۔" شین بولا۔ "میرین، وہ صرف رائٹ ہی کی تعریفیں نہیں کر رہے تھے۔ اُن میں سے اکثر اس غرض سے نہیں آئے تھے۔ وہ ایک شخص سٹیریٹ نامی کے لحاظ میں بھی آئے تھے، جس نے خود بھی بڑی مناسب تقریر کی۔ یہ تمھارے شوہر اس علاقے میں بڑی اونچی ساکھ کے آدمی بنتے جا رہے ہیں۔ جونہی بستی بڑھے گی اور آمی جمی ہوگی، ان کو دور دور جانا پڑا کرے گا۔ دیکھنا، کچھ دن جاتے ہیں، یہ میئر بن کے رہیں گے!"

اماں نے سانس روک کر ایک سسکی سی لی اور آہستہ آہستہ جما جما کر بولیں۔ "کچھ دن جاتے ہیں ..." انھوں نے شین کی طرف نگاہ اُٹھائی تو اُن کی آنکھوں میں خوف جھلک رہا تھا۔ خوش گپی ختم ہوئی اور اس سے پیشتر کہ کسی کے منہ سے کوئی اور بات نکلتی، ہم نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز اپنے کھلیان کی طرف بڑھتے سنی۔

میں باہر جھانکنے کے لیے کھڑکی کی طرف دوڑا۔ مجھے تعجب ہوا کہ شین جو عام طور سے بڑا مستعد رہتا تھا، مجھ سے پہلے کیوں نہ اُٹھا۔ اس کے بجائے اُس نے اپنی کرسی پیچھے کی طرف کھسکائی اور اُس پر دوبارہ ٹیک لگاتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا۔ "یہ فلیچر ہی ہوگا جو۔ اُس نے سن لیا ہے کہ بستی والوں پر کیا اثر ہوا ہے، اور جانتا ہے کہ اُسے اب جلدی ہی کوئی قدم اُٹھانا چاہیے۔ خیر۔ تم مطمئن رہو۔ اب وقت اُس کی ضد پر ہے۔ وہ یہاں کوئی شر نہ اُٹھا سکے گا۔"

ابا نے شمین کی بات پر اقرار میں سر ہلایا اور دروازے کی طرف چلے۔ جب وہ آئے تھے تو انھوں نے اپنی بندوق کی پیٹی اُتار دی تھی۔ وہ کھونٹی پر سے اپنی رائفل اتارنے کو بڑھے اور اُسے سیدھے ہاتھ میں اُٹھالیا اس طرح کہ نال نیچے کی جانب تھی۔ پھر دروازہ کھولا اور برساتی میں نکل کر بالکل کنارے تک پہنچ گئے۔ شمین خاموشی سے اُن کے پیچھے چلا اور دروازے سے ٹیک لگا کر سکون اور خبر گیری کے انداز سے کھڑا ہوگیا۔ اماں میرے قریب کھڑکی میں کھڑی باہر تک رہی تھیں اور اپنے ایپرن کو ہاتھوں میں مسل رہی تھیں۔ یہ چار آدمی تھے۔ فلیچر اور ولسن آگے آگے اور دو چرواہے اُن کے پیچھے۔ وہ برساتی سے تقریباً بیس قدم کے فاصلے پر رک گئے۔ میں نے فلیچر کو آج تقریباً ایک سال کے بعد دیکھا تھا۔ وہ ایک دراز قد انسان تھا جو اپنے نفیس لباس میں جو ہمیشہ ایسا ہی ہوتا، اپنے تحکمانہ انداز میں چھوٹی سی ترشی ہوئی ڈاڑھی سے سجے ہوئے سبک نقشے اور ذہین آنکھوں سمیت، کبھی بہت وجیہ آدمی معلوم ہوتا ہوگا، اب اُس کے نقشے میں ایک بھدا پن پیدا ہوتا جا رہا تھا۔ جسم بھاری ہو چلا تھا اور کساؤ کم ہوگیا تھا۔ اُس کے چہرے سے ہوشیاری ٹپکتی تھی اور ایک بے دھڑک عزم کا اظہار ہوتا تھا جو مجھے یاد نہیں کہ میں نے پہلے کبھی محسوس کیا ہو۔

سٹارک ولسن اُس تمام نفاست کے باوجود جس کا فرینک نورری نے ذکر کیا تھا، چھریرے اور تنگھیلے بدن کا تھا۔ وہ ڈھیلا ڈھالا سا، رکاب میں پاؤں میں ڈالے بیٹھا تھا۔ لیکن کوئی بھی اُس کے انداز پر دھوکا نہ کھاتا۔ وہ کوٹ نہیں پہنے ہوئے تھا اور دونوں پستول صاف لٹکتے نظر آتے تھے۔ وہ خود اعتماد، بارعب اور خوفناک لگتا تھا۔ مونچھوں کے نیچے اُس کے خمیدہ لبوں سے بیک وقت اپنی ذات پر اعتماد اور ہمارے لیے محض تحقیر کا اظہار ہوتا تھا۔

فلیچر مسکرا رہا تھا اور بڑے لحاظ سے پیش آیا۔ اُسے یقین تھا کہ بازی اُس کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ جس طرح چاہے گا کھیلے گا۔

''تکلیف دہی معاف کرنا سٹیریٹ۔ خاص طور سے اُس منحوس واقعے کے بعد اس قدر جلد جو کل رات ہوا۔ کاش اُسے ٹالا جا سکتا۔ میں بالکل سچ کہتا ہوں۔ اِن معاملات میں گولی

چلنے کی نوبت نہیں آنی چاہیے بشرطیکہ لوگ سمجھداری سے کام لیں۔ اُس موقع پر رائٹ کو یہ نہیں چاہیے تھا کہ مسٹر ولسن کو جھوٹا بتائے۔ یہ غلطی تھی۔''

''بے شک بے شک درست۔'' اتا نے روکھے پن سے کہا۔ ''لیکن ایرنی ہمیشہ سچی ہی بات کہنے کا قائل تھا۔'' میں دیکھ رہا تھا کہ ولسن کا چہرہ درشت ہو گیا اور اُس کے لب بھنچ گئے۔ اتا نے اُس کی طرف نہیں دیکھا۔ ''تمھیں جو بات کہنی ہے کہو فلیچر، اور پھر میرے ہاں سے روانہ ہو جاؤ۔''

فلیچر اب بھی مسکرا رہا تھا۔ ''میرے تمھارے درمیان جھگڑے کی کوئی بات نہیں ہے سٹیریٹ۔ جو ہو چکا سو ہو چکا۔ ہمیں توقع رکھنی چاہیے کہ آئندہ ایسی نوبت نہ آئے گی۔ تم نے بھی مویشیوں کا کام بڑے پیمانہ پر کیا ہے اور تم میرے معاملے کو سمجھ سکتے ہو۔ اب سے مجھے اُس تمام علاقے کی ضرورت ہوگی جو میں حاصل کر سکوں۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ بسنے والوں کی ٹولیاں یہاں آ کر ڈیرا جماتی رہیں اور میرے پانی کے حق کو مارتی رہیں۔''

''اس کے متعلق ہم پہلے بھی کہہ سن چکے ہیں۔'' اتا نے کہا۔ ''تم کو میرا خیال معلوم ہے۔ کچھ اور کہنا ہے تو کہہ ڈالو اور قصہ ختم کرو۔''

''اچھی بات سٹیریٹ، یہ ہے میری تجویز۔ جس طریقے پر تم کام کرتے ہو میں اُسے پسند کرتا ہوں۔ تم مویشیوں کے کاروبار کے متعلق کچھ انوکھے خیالات رکھتے ہو۔ خیر۔ لیکن جب تم کوئی کام ہاتھ میں لو تو اُس کو بہت اچھی طرح انجام دیتے ہو۔ تم اور تمھارا وہ آدمی، دونوں میرے کام آ سکتے ہو۔ میں تم دونوں کو اپنی ہی طرف رکھنا چاہتا ہوں کہ تم میرے کاموں کی نگرانی سنبھال لو۔ جو کچھ میں نے سنا ہے اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تمھارا آدمی ہنکیوں کی جمعداری بہت اچھی کر سکتا ہے۔ اُس کی جگہ وہی ہے۔ چونکہ تم نے زمین پر اپنا قبضہ ثابت کر دیا ہے، میں یہ جگہ تم سے خرید لوں گا۔ اگر تم یہیں بسر اوقات جاری رکھنا چاہو تو اس کا بھی انتظام ہو سکتا ہے۔ اگر تم اپنے اس چھوٹے سے گلّے کو چرانا چاہو تو اس کا بھی بندوبست ہو سکتا ہے۔

لیکن میں چاہتا ہوں تم میرا ہی کام کرو۔"

ابا حیران رہ گئے۔ ان کو ایسی بات کی بالکل توقع نہ تھی۔ انھوں نے اپنی پشت پر آہستہ سے شین کو مخاطب کیا، مگر مڑے نہیں۔ فلیچر پر سے نگاہ نہ ہٹائی۔ مگر ان کی آواز صاف سنی گئی۔

"کیا میں تمھاری طرف سے جواب دے سکتا ہوں؟"

"ہاں جو۔" شین کا لہجہ بھی اتنا ہی دھیما تھا مگر اس کی آواز بھی صاف سنی گئی۔ اور اس میں بھی ایک افتخار کا لہجہ تھا۔

ابا برساتی کے کونے پر ذرا اور تن کے کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے فلیچر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "اور دوسرے لوگ۔ جانسن، اور شپ سٹیڈ، اور باقی سب۔ ان کے متعلق کیا کہتے ہو؟"

"انھیں چلا جانا ہوگا۔"

"نہیں۔" ابا نے بے تامل کہا۔

"میں تمھیں اس جگہ کے، جس حالت میں یہ ہے، ایک ہزار ڈالر دے سکتا ہوں۔ اور یہ میری آخری بولی ہے۔"

"نہیں!"

فلیچر کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا۔ وہ رکاب میں پاؤں ڈالے ڈالے ولسن کی طرف مڑا ہی چاہتا تھا مگر رک گیا۔ اس نے پھر وہی کھسیانی سی ہنسی اپنے چہرے پر پیدا کی۔ "عجلت میں کوئی نفع نہیں سٹیریٹ۔ میں بارہ سو تک دام لگا سکتا ہوں۔ اور یہی بہتر ہے۔ بات پر اڑنے کا نتیجہ بہت برا ہوگا۔ میں تم سے اسی وقت جواب نہیں مانگتا۔ آج رات تک اور غور کر لو۔ میں گرافٹن کی دوکان پر تمھارا انتظار کروں گا۔ اور امید کرتا ہوں کہ تم معقول بات کرو گے۔"

اس نے اپنے گھوڑے کو موڑا اور چل دیا۔ دونوں چرواہے لڑکے بھی اس سے جا ملنے کے لیے سڑک کی جانب مڑے۔ ولسن فوراً ان کے پیچھے روانہ نہیں ہوا۔ وہ اپنی نشست پر تھوڑا سا جھکا اور ابا کی طرف تمسخر کے انداز سے دیکھا۔

''ہاں سنیریٹ، غور کرو۔ تم کو یہ تو پسند نہ ہوگا کہ تمھاری یہ زمین کل کو کوئی اور ہتھیا لے اور موج کرے۔ اور ہاں، اُس عورت کو بھی جو کھڑکی میں کھڑی ہے۔'' وہ اپنے ایک ہاتھ سے باگیں اُٹھا رہا تھا کہ گھوڑے کو ہنکائے مگر اس کے ہاتھ سے دفعتاً باگیں چھٹ گئیں اور وہ ساکت رہ گیا۔ اس کا سبب غالباً وہ رنگ تھا جو اُس نے ابا کے چہرے پر دیکھا لیکن ہم اُسے نہ دیکھ سکے، یعنی میں اور اماں، اس لیے کہ ابا کی ہماری طرف پشت تھی۔ لیکن یہ ہم نے بھی دیکھا کہ پہلو میں لٹکی ہوئی رائفل پر اُن کے ہاتھ کی گرفت مضبوط ہوگئی ہے۔

''نہیں۔'' شین ابا کے قریب پہنچ گیا۔ پھر تیزی سے آگے بڑھا اور سیڑھی سے اتر کر ولسن سے کوئی چھ فٹ کے فاصلے پر بائیں طرف ٹھہر گیا۔ ولسن ہکا بکا سا ہوگیا۔ اُس کے دائیں ہاتھ کو جنبش ہوئی۔ لیکن جیسے ہی شین ٹھہرا اور اُس نے دیکھا کہ اُس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے، وہ بھی ٹھہر گیا۔

شین نے نظر اُٹھا کے اُسے دیکھا اور بڑی حقارت کے ساتھ بولا۔ ''تم اس لیے بڑھ بڑھ کے بول رہے ہو کہ تم نے وہ دھات کا ٹکڑا سنبھال رکھا ہے۔ اسے اتار پھینکو تو ٹانگ برابر کے لونڈے نظر آؤ گے۔''

اُس کی اس جسارت ہی نے ولسن کو ایک لمحہ کے لیے ساکت کر دیا۔ اور اُسی لمحے ابا کی آواز گونجی۔

''جانے دو شین۔''

ولسن کے چہرے سے وہ دھمکی کافور ہوگئی۔ وہ شین کی طرف دیکھ کر طنزاً مسکرایا۔ ''تمھاری خبر گیری ضرور کرنی پڑے گی۔'' پھر اُس نے اپنا گھوڑا دوڑا دیا اور سڑک پر فلیچر اور دوسرے سواروں کے ساتھ جا ملا۔

اب جا کر مجھے محسوس ہوا کہ اماں میرے کندھے اتنے زور سے پکڑے ہوئے تھیں کہ دُکھنے لگے تھے۔ وہ ایک کرسی پر جا گریں اور مجھے گلے سے لگا لیا۔ برساتی میں ابا اور شین باتیں کر رہے تھے۔

''وہ گولی تمھارے جسم کے پار کر دیتا جو، اور تمھارا ہاتھ بندوق تک جانے بھی نہ پاتا اور تم کارتوس بھی نہ ڈال سکتے۔''

''اور تم۔ تم بھی اتنے احمق ہو۔'' ابا اپنے اصل احساسات کو مصنوعی غصے میں چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ''تم خود بھی اس کا نشانہ بننے کو پہنچ گئے۔ وہ جیسے مجھے کرتا ویسا ہی تمھیں بھی ڈھیر کر سکتا تھا۔''

اماں اچھل پڑیں۔ مجھے ایک طرف ہٹایا اور دروازے سے اُن پر برسنے لگیں۔ ''تم دونوں کی عقل ماری گئی تھی، اور صرف اس لیے کہ اس نے میرے متعلق کچھ کہا۔ میں تم دونوں کو بتا دوں کہ اگر سہنا ہی پڑے تو میں بھی اس قسم کی ہتک آمیز باتیں اسی طرح سہہ سکتی ہوں جس طرح کہ تم دونوں۔''

میں نے دیکھا کہ وہ اُن کو ہکا بکا کھڑے دیکھ رہے تھے۔ ''لیکن میری جان!'' ابا نے نرمی سے اُن کے قریب آتے ہوئے کہا۔ ''اس سے بڑھ کر کسی آدمی کے لیے کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''

''ہاں!'' شمین نے نرمی سے کہا۔ ''اس سے بڑھ کر کیا وجہ ہو سکتی ہے۔'' وہ صرف اماں کو نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ اُس کی نگاہ دونوں پر تھی۔

باب-۱۳

معلوم نہیں وہ کب تک اس کیفیت کے زیرِ اثر برساتی میں کھڑے رہے۔ میں نے اس کے سکوت کو ایک ایسے سوال سے توڑا جو کرنے سے پہلے تو مجھے بہت سادہ سا معلوم ہوا لیکن کر چکنے کے بعد مجھے اُس کی اہمیت محسوس ہوئی۔

''ابا آپ آج رات فلیچر سے کیا کہیں گے؟''

وہاں نہ کچھ جواب تھا، نہ جواب کی ضرورت تھی۔ میں قیاس کرتا ہوں کہ میں کچھ سمجھدار ہوتا جا رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ فلیچر سے وہ کیا کہیں گے۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ ابا ایسے آدمی ہیں کہ گرافٹن کی دوکان تک ضرور جائیں گے اور جو کہنا ہے وہ کہیں گے۔ میں یہ بھی سمجھ گیا کہ کس لیے وہ اور شمین ایک دوسرے سے آنکھ نہ ملا سکے۔ دھوپ میں نہائے کھیتوں سے آتی ہوئی ہوا یک بیک ٹھٹھر کر اور بے لطف ہو کر رہ گئی۔

اُنھوں نے ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھا۔ اُنھوں نے آپس میں کوئی بات نہ کی۔ پھر بھی نہ جانے کیوں کر میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ برساتی میں اس سکوت کے عالم میں کھڑے ہوئے ایک دوسرے سے بہت زیادہ قریب تھے، پہلے سے کہیں زیادہ۔ وہ دونوں اپنی کیفیت بھی پہچانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ فلیچر کے پاس ترپ کا پتہ آ گیا ہے، اور اُس نے ابا پر وہ داؤ چلا ہے جس سے وہ گریز نہیں کر سکتے۔ وہ جانتے تھے کہ ایسے میں بات کرنا بے سود ہے جب کہ بات پہلے ہی کھلی ہوئی ہے۔ اس خاموشی نے اُن کو گفتگو سے زیادہ قریب کر دیا تھا۔

ابا برساتی کی سب سے اوپر کی سیڑھی پر بیٹھ گئے۔ اُنھوں نے اپنا پائپ نکالا اور دیا سلائی کھینچ کر سلگایا۔ کش لیتے وقت اُن کی آنکھیں دور دریا کے پار، پہاڑوں پر جمی ہوئی تھیں۔ شمین نے وہ کرسی لے لی جس پر میں اماں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ وہ اُسے دیوار کے

برابر کھینچ لایا اور اپنی خاص بے خبری کی ادا کے ساتھ بیٹھا ہوا وہ بھی کہیں دور تکنے لگا۔

اماں باورچی خانے میں پہنچیں اور میز اس انداز سے صاف کرنے لگیں جیسے وہ خود نہیں جانتیں کہ کیا کر رہی ہیں۔ میں نے اُن کے ساتھ مل کر برتن اُٹھائے۔ اُن کا ہاتھ بٹانے میں جو خوشی محسوس ہوتی تھی وہ آج ناپید تھی۔ باورچی خانے میں پانی گرنے اور برتنوں کے آپس میں ٹکرانے کی آواز کے سوا مکمل سکوت تھا۔

جب ہم نے کام ختم کر لیا تو وہ ابا کے پاس گئیں اور اُن کے پہلو میں سیڑھی پر بیٹھ گئیں۔ اُنھوں نے اپنا ہاتھ درمیان کی لکڑی پر ٹکایا۔ ابا نے اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھ کے اوپر رکھ دیا۔ لمحے خاموشی کے ساتھ وقت کی سست تھکتی ہوئی رفتار میں تحلیل ہوتے گئے۔

مجھے اُس وقت سخت تنہائی نے گھیر لیا تھا۔ میں گھر میں اِدھر اُدھر گھومتا پھرا۔ اور کچھ کرنے کو نظر نہ آیا تو باہر برساتی میں جا نکلا اور اُن لوگوں کے پاس سے ہوتا ہوا کھلیان میں جا پہنچا۔ میں نے اِدھر اُدھر تلاش کیا تو ایک پرانے بیلچے کا دستہ پڑا ہوا ملا۔ میں اُسے اپنے چاقو سے چھیل چھانٹ کر کاٹھ کی تلوار بنانے میں لگ گیا۔ میں عرصے سے اس کا ارادہ کر رہا تھا، لیکن اب اس میں کوئی دلچسپی باقی نہ رہی تھی۔ لکڑی کی چھیلیں کھلیان کے فرش پر بکھرتی گئیں۔ تھوڑی دیر میں میں نے اس دستے کو بھی اُسی ڈھیر میں پھینک دیا۔ ہر گزری ہوئی بات ایک افسانہ معلوم ہوتی تھی جیسے کسی اور جنم کی بات ہو۔ حقیقت صرف اتنی رہ گئی تھی کہ سائے دراز ہو گئے تھے اور سورج کے ڈھلنے کے ساتھ ساتھ میدان میں پھیلتے جا رہے تھے۔

میں نے ایک کھرپی لی اور اماں کی باغیچی میں چلا گیا جہاں چقندروں کے آس پاس کی زمین خشک ہو گئی تھی۔ یہی ایک فصل تھی جس کی گُنائی ابھی باقی تھی۔ لیکن مجھ میں کام کرنے کا ولولہ پیدا نہ ہوا۔ میں نے ایک دو قطاروں کی گُنائی کی۔ پھر کھرپی گر گئی، اور میں نے اُسے وہیں چھوڑ دیا۔ میں پھر گھر کے صدر حصے کی طرف واپس گیا۔ وہاں وہ لوگ بدستور بیٹھے ہوئے تھے۔

میں ابا اور اماں کے نیچے والی سیڑھی پر اُن دونوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ اپنے اِدھر اُدھر اُن دونوں کی ٹانگیں مجھے تسکین بخش معلوم ہوئیں۔ میں نے محسوس کیا کہ ابا نے اپنا ہاتھ میرے

سر پر رکھ دیا ہے۔

''بابا، تمھارے لیے یہ اچھی مشکل ہوگئی۔'' وہ اس وقت مجھ ہی سے بات کر سکتے تھے کیونکہ میں چھوٹا تھا۔ مگر دراصل وہ اپنے آپ ہی سے کہہ رہے تھے۔

''مجھے نہیں معلوم کہ آخر کو کیا نتیجہ نکلے گا، مگر یہ بتا سکتا ہوں کہ وِلسن گیا نہیں اور قصہ چکا نہیں۔ فلیچر کے مزاج درست ہو جائیں گے۔ بستی والے خود ہی سمجھ لیں گے۔ میں وِلسن کو بندوق بازی میں تو نیچا نہیں دکھا سکتا مگر میرے اس بے ڈول بدن میں اتنا دم تو ضرور ہے کہ ویسے دو دو ہاتھ ہو جائیں تو گرا ماروں۔'' اماں ذرا سا کسمسا کر رہ گئیں۔ وہ پھر بولے۔ ''خیر۔ اتنا بھی غنیمت ہے۔ آدمی کو اس خیال سے ضرور ڈھارس ہوتی ہے کہ اُسے کچھ ہو جائے تو اُس کے بال بچوں کے سر پر کسی بہتر آدمی کا ہاتھ رہے گا۔''

ہماری پشت پر برساتی میں ایک زور کی آواز ہوئی۔ شین اس طرح یکایک اٹھا کہ اُس کی کرسی دیوار سے جا ٹکرائی تھی۔ اُس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور اُس کے بازو کانپ رہے تھے، اور شدتِ احساس سے اُس کا چہرہ سفید تھا۔ وہ کسی اندرونی کرب سے تڑپ اُٹھا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں کوئی تکلیف دہ احساس جھلک رہا تھا جس سے شاید کوئی مفر نہ تھا۔ اس کی علامتیں اُس کے چہرے سے صاف عیاں تھیں جنھیں اُس نے چھپانے کی کوشش نہیں کی۔

اُس نے سیڑھیاں پھلانگیں اور ہمارے پاس سے نکلتا ہوا گھر کے پہلو میں مڑ گیا۔ اماں اٹھیں اور اُس کے پیچھے بے تحاشا بھاگیں۔ وہ یکایک دیوار کے موڑ پر رک گئیں اور ہانپتے ہوئے تذبذب کی کیفیت میں لکڑی کو پکڑ لیا۔ پھر آہستہ قدم واپس آگئیں۔ اُن کے ہاتھ اِدھر اُدھر اس طرح اُٹھ رہے تھے جیسے اپنے آپ کو گرتے میں سنبھال رہی ہوں۔ وہ پھر سیڑھی پر آ کر ٹک گئیں ابا کے بالکل قریب، اور ابا نے اپنے قوی بازو سے انھیں اپنی طرف کھینچ لیا۔ خاموشی اس طرح چھائی کہ پوری وادی میں پھیل گئی۔ سائے میدان میں بڑھنے لگے اور سڑک کو چھوتے ہوئے اور گہرے سایوں میں جا کر مل گئے، جس کے یہ معنی تھے کہ سورج مکان کی پشت پر بہت دور پہاڑوں کی اوٹ میں غروب ہو رہا تھا۔

اماں نے کمر سیدھی کی، اور جیسے ہی وہ کھڑی ہوئیں ابا بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے اُن کے دونوں بازوؤں کو پکڑ کر اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔ ''میں تم سے امید رکھتا ہوں میرین کہ تم اُس کو دوبارہ جیتنے میں مدد دوگی۔ یہ کام اگر کوئی کر سکتا ہے تو تم کر سکتی ہو۔'' وہ ایک عجیب ہلکی سی افسردہ ہنسی ہنسے۔ اپنے مقابل کھڑے ہوئے وہ اُس وقت مجھے دنیا کے سب سے بڑے، سب سے بلند آدمی معلوم ہو رہے تھے۔

''میرے لیے کسی کھانے کی ضرورت نہیں میرین۔ بس تمھارے ہاتھ کی بنی ہوئی ایک پیالی کافی پینا چاہتا ہوں۔'' وہ دونوں دروازے کو کھول کر ایک ساتھ لانگ کر اندر چلے گئے۔

شین کہاں تھا؟ میں تیزی سے کھلیان کی طرف گیا۔ میں وہاں تک پہنچا ہی تھا کہ شین باہر چراگاہ کے قریب نظر پڑا۔ وہ اُس کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا اور اُن چرتے ہوئے بچھیروں کو جو اُس خاموش وادی میں بکھرے ہوئے تھے جس کے گرد پہاڑوں کی چوٹیاں پشت پر تیزی سے ڈوبتے ہوئے سورج کی کرنوں سے سنہری ہو رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ اُس نے اپنے ہاتھ اوپر کی جانب اُٹھائے۔ اُس کی انگلیاں اوپر اُٹھی ہوئی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ آسمان کے اس پُر جلال روحانی حسن کو اپنی گرفت میں لے لینا چاہتا ہے۔

پھر وہ مڑا اور ایک دم واپس ہوا۔ وہ لمبے لمبے، مضبوط، ہموار قدم رکھتا ہوا آ رہا تھا۔ اُس کا سر اُٹھا ہوا تھا جس میں ایک پُر اسرار، نیا اور کبھی تبدیل نہ ہونے والا عزم نمودار تھا۔ وہ قریب آیا اور میں نے دیکھا کہ اب اُس کا چہرہ خاموش اور پُر سکون تھا اور اُس کی آنکھوں میں دیے سے روشن اور رقصاں تھے۔

''گھر میں دوڑ جاؤ باب بچے۔ ہنسو۔ مسکراؤ۔ سب کام ٹھیک ہو جائیں گے۔'' وہ میرے قریب سے گزر کر کھلیان میں گھس گیا۔

لیکن میں نہ گھر میں جا سکا نہ اُس کے پیچھے کی طرف جانے کی ہمت ہوئی، کہ وہ مجھ سے چلے جانے کو کہہ چکا تھا۔ جب میں برساتی کے پاس منتظر کھڑا کھلیان کے دروازے کو تک رہا تھا تو مجھے اپنے اندر ایک جوش سا اُٹھتا محسوس ہوا۔ منٹ پر منٹ گزرتا گیا۔ دھندلکا بڑھ گیا تھا۔

باورچی خانے میں لیمپ روشن ہوا تو گھر کے اندر روشنی کا ایک دھارا سا نکلا۔ میں ابھی تک انتظار میں کھڑا تھا۔ وہ تیزی سے میری طرف آتا ہوا نظر آیا۔ میں تکتا رہا، تکتا رہا، اور پھر تیزی سے گھر کی طرف دوڑا۔ جسم کا سارا خون میرے سر میں جمع ہوتا اور موج در موج ٹکراتا ہوا محسوس ہوا۔

''ابا! ابا! شمین نے پستول نکال لیا ہے۔''

وہ میرے قریب ہی میری پشت پر تھا۔ ابا اور اماں میز پر سے بمشکل نظر اٹھانے پائے تھے کہ وہ دروازے کی چوکھٹ میں نمودار ہوگیا۔ وہ اسی لباس میں تھا جس میں وہ پہلی بار ہمارے ہاں وارد ہوا تھا۔ سیاہ ٹوپی اور اس کے لہردار چمکیلے چھجے سے لے کر سیاہ جوتوں تک وہی پُر اسرار گھسا گھسایا مگر باوقار اور وضعدار لباس۔ مگر سب سے زیادہ جاذبِ نظر وہ سفید دھاری تھی___ پستول کے دستے پر چڑھا ہوا ہاتھی دانت کا پترا___ جو سیاہ پتلون پر نمایاں طور سے چمک رہا تھا۔ مبیّن نقش و نگار سے مزین کارتوسوں کی پیٹی کمر کے گرد لپٹی ہوئی تھی، بائیں طرف ذرا ران کے اوپر اور داہنی طرف سے ذرا نیچے جھکی ہوئی، جیسا کہ اس نے بتایا تھا، تاکہ پستول کا دستہ جو اس میں لٹک رہا تھا، کلائی اور کہنی کے درمیان رہے۔

پیٹی، پستول بند اور پستول...... یہ چیزیں کچھ وہ اٹھائے یا سنبھالے ہوئے نہ تھا۔ یہ تو اس کی شخصیت کا جزو تھیں۔ اس مکمل کردار، قوت اور حقیقت جس کا نام تھا شمین۔ ایسا نظر آتا تھا کہ وہ شخص جو ہمارے ساتھ رہتا تھا، ہمارے گھر کا ایک فرد تھا، آج پہلی بار اپنی اصلی اور مکمل ہیئت میں ظاہر ہوا ہے۔

اب جب کہ اس نے کھیتی باڑی کے کام کا لباس اتار دیا تھا، وہ پھر ویسا ہی دبلا پتلا نظر آنے لگا جیسا پہلے دن معلوم ہوا تھا۔ تبدیلی فقط اتنی ہی نہ تھی۔ وہ لوہا جسے ہم دیکھتے تھے، اب فولاد بن گیا تھا۔ وہ دبلا پن دراصل بلیڈ کا پتلا پن تھا اور اس میں اب ویسی ہی تیز دھار موجود تھی۔ اس کا دبلا پتلا سا پُر اسرار جسم پھر بھی تمام چوکھٹ کو گھیرے ہوئے معلوم ہوتا تھا۔

یہ وہ شمین نہ معلوم ہوتا تھا جس سے ہم مانوس ہوگئے تھے۔ مگر تھا وہی۔ مجھے ایڈ باؤلز کا وہ

قول یاد آیا کہ اُس سے زیادہ خطرناک انسان اُس کی نظروں سے کبھی نہ گزرا تھا، اور اس کے ساتھ ہی ابا کا یہ قول بھی کہ اُس سے زیادہ بے ضرر انسان ہمارے گھر میں نہ آیا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ دونوں ٹھیک کہتے تھے، اور یہ بھی کہ اصلی شین یہی ہے جو اِس وقت ہمارے سامنے کھڑا ہے۔

وہ اب کمرے کے اندر آ چکا تھا۔ اُس نے دونوں سے مخاطب ہو کر اُسی خوش مذاقی کے لہجے میں کہا جو اکثر صرف اماں ہی کے لیے مخصوص تھا۔ ''آپ دونوں بھی خوب ماں باپ ہیں۔ ابھی باپ کو کھانا تک نہیں ملا۔ اسے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ۔ خود بھی کھاؤ۔ مجھے بستی میں کچھ کام ہے۔''

ابا اُسے نظر جمائے دیکھ رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں میں طمانیت کی ایک ہلکی سی جھلک پیدا ہوئی اور غائب ہو گئی۔ ''نہیں شین۔ اس سے کام نہیں چلے گا۔ تمھارا صرف یہ خیال ہی کرنا بہت بڑا احسان ہے جو ہم پر کبھی کسی نے نہ کیا تھا۔ مگر میں تمھیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ یہ تو میرا معاملہ ہے۔ بات میرے اور فلیچر کے درمیان ہے اور میں اُس سے کٹ نہیں کاٹ سکتا۔ یہ میرا معاملہ ہے۔ مجھی کو چکانا ہوگا۔''

''یہی تو تمھاری غلطی ہے جو۔'' شین نے ملائمت سے کہا۔ ''یہ تمھارا نہیں، میرا کام ہے۔ میرے کرنے کا کام۔ میں نے کچھ دن کاشتکاری کا لطف بھی لے لیا۔ تمھیں نے مجھ کو بتایا کہ کاشتکاری کس چیز کا نام ہے، اور مجھے فخر ہے کہ تھوڑے دن کے لیے سہی مگر میں نے اسے نبھایا۔ مگر بعض کام ہیں جو کاشتکاروں کے بس کے نہیں ہوتے۔''

تمام سہ پہر کی طویل کوفت کا اثر ابا پر ظاہر ہو رہا تھا۔ وہ میز پر سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ''خدا کے واسطے شین۔ بات مانو۔ مجھے اور زیادہ کوفت نہ پہنچاؤ۔ میں تمھیں ایسا کبھی نہ کرنے دوں گا۔''

شین اور قریب آ کر میز کے پہلو سے لگ کر ابا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ''تسلی رکھو تو مشکل آسان ہو جاتی ہے جو۔ یہ کام میں کرنا چاہتا ہوں۔''

''نہیں۔ میں تم کو نہیں کرنے دوں گا۔ مان لو تم نے ولسن کو راستے سے ہٹا بھی دیا، پھر کیا بات ختم ہو جائے گی؟ یہ تو صرف ادلے کا بدلہ ہوگا۔ اور بات وہیں نہ رہے گی جہاں سے چلی تھی بلکہ بدتر صورت اختیار کرے گی۔ سوچو تمھارے حق میں اس کا نتیجہ کیا ہوگا اور میرے حق میں کیا؟ میں پھر اس علاقے میں سر اونچا کر کے نہیں چل سکتا۔ وہ سب کہیں گے کہ دیکھا خود کیسا دبک گیا، اور واقعی سچ کہیں گے۔ یہ کام تم نہیں کرو گے۔ بس فیصلہ ہے۔''

''نہیں!'' شمین کا لہجہ پہلے سے بھی زیادہ نرم تھا۔ مگر اس میں ایک ایسی ہٹ تھی جو پہلے نہ دیکھی تھی۔ ''کون ہے جو مجھ سے کہہ سکے کہ تو یہ کرے گا اور یہ نہیں۔ جو، تم بھی نہیں کہہ سکتے۔ تم بھولتے ہو کہ ایک صورت اور بھی ہو سکتی ہے۔''

وہ ابا کی توجہ اپنی طرف رکھنے کے لیے بول رہا تھا۔ یہ کہتے کہتے پستول اُس کے ہاتھ میں آ گیا اور اس سے پہلے کہ ابا جنبش بھی کر سکیں، اُس نے پلک جھپکتے میں پستول کھینچا اور اُس کی نال ابا کی کنپٹی کے پاس کان سے ذرا اوپر کھناک سے جا لگی۔ ہاتھ بہت زور کا پڑا تھا اور ہڈی پر لوہے کے پڑنے کی آواز صاف سنائی دی۔ ابا ایک دم میز پر اوندھے گرے اور میز اُن کے بوجھ سے جھکی تو سیدھے فرش پر پھسل پڑے۔ لیکن گرنے سے پہلے شمین کا ہاتھ اُن کے نیچے تھا۔ اُس نے ابا کے ساکت جسم کو سہارا دے کر اُٹھایا اور کرسی پر لٹا دیا۔ پھر اُس نے میز کو ٹھیک کیا۔ پیالیاں فرش کے تختوں پر لڑھک رہی تھیں۔ ابا کا سر پیچھے کی طرف ڈھلک گیا تھا۔ شمین نے اُسے سہارا دے کر سیدھا کر دیا۔ اُن کو شانے پکڑ کر آگے کی طرف جھکایا اور آرام سے میز کے سہارے بٹھا دیا، اس طرح کہ منہ نیچے کی طرف رہا اور سر بازوؤں کے سہارے ٹک گیا۔

پھر شمین نے سیدھے کھڑے ہو کر کمرے کے دوسری جانب اماں کی طرف دیکھا۔ جب سے شمین کمرے میں داخل ہوا تھا اُنھوں نے ذرا حرکت نہ کی تھی۔ جب ابا گرے اور میز جس پر اماں ہاتھ ٹکائے بیٹھی تھیں، ایک طرف سے اُٹھی تب بھی وہ کچھ نہ بولیں۔ وہ صرف شمین کو دیکھے جا رہی تھیں۔ اُن کی گردن فخر سے اُٹھی ہوئی تھی اور اُس کا خم بڑا دلفریب معلوم ہو رہا تھا۔ آنکھیں کچھ حیرت اور کچھ محبت کے اثر سے روشن اور فراخ دکھائی دیتی تھیں۔

تمام وادی پر اندھیرے کی چادر پڑی ہوئی تھی۔ وہ دونوں میز کے دونوں کناروں پر سے ایک دوسرے کی طرف تک رہے تھے۔ اُس وقت اُسی مدھم لیمپ کی روشنی تھی جو اُن کے سروں سے ذرا اوپر لٹکا ہوا اُن کے چہروں کو منور کر رہا تھا۔ اُس لمحے وہ دونوں خاموش اور ایک دوسرے میں کھوئے ہوئے سے تھے، مگر جب اُنھوں نے اس مہر خاموشی کو توڑا تو اُن کی زبان پر ابا ہی کا ذکر تھا۔

''مجھے پہلے ہی خدشہ تھا کہ یہ یہی سب حجتیں پیش کریں گے۔ ایسا نہ کرتے تو ان کو جو سٹیریٹ ہی کون کہتا۔''

''میں جانتی ہوں۔''

''اب یہ آرام سے پڑے رہیں گے۔ اور اُٹھیں گے تو بالکل ٹھیک ہوں گے۔ ہاں، شاید کچھ مدہوش سے دکھائی دیں۔ ان سے کہہ دینا میرین، کہ کسی شخص کو بھی شمین کے ہاتھ کا ایک وار سہہ لینے پر شرمندہ نہ ہونا چاہیے۔''

اُس کے منہ سے اُس کا اپنا نام بڑا عجیب معلوم ہوا۔ اِس قسم کی یہی ایک بات اُس کے منہ سے کبھی نہ نکلی تھی جسے تعلّی کہہ سکتے ہیں۔ پھر بھی محسوس یہی ہوتا تھا کہ اِس بات میں تعلّی کا شائبہ نہیں ہے۔ وہ صرف ایک امر واقعہ بیان کر رہا تھا۔ ایک سیدھی سچی بات تھی جیسی خود اُس کی طبیعت، اور وہ فطری قوت جو اُس کی ذات میں پنہاں تھی۔

''ٹھیک ہے۔'' اماں نے کہا۔ ''ان سے کہنے کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ بھی جانتے ہیں۔'' وہ بڑی سنجیدگی کے انداز میں اُٹھنے لگیں جیسے کسی بات کا تہیہ کر لیا ہو۔ ''مگر ایک بات ہے جو میں ضرور جاننا چاہتی ہوں۔ ہم نے وہ سب الفاظ اَن کہے چھوڑ دیے جو ہوسکتا تھا کہ ہمارے درمیان آ جاتے، اور یہی اچھا بھی تھا۔ لیکن اب مجھے یہ پوچھنے کا حق ضرور ہے۔ میں خود بھی تو اس معاملے سے علیحدہ نہیں ہوں۔ اور میں جو کچھ کروں گی وہ تمھارے جواب پر منحصر ہوگا۔ کیا تم یہ سب کچھ میری خاطر کر رہے ہو؟''

شمین نے ایک طویل لمحے تامّل کے بعد کہا۔ ''نہیں میرین۔ نہیں'' اُس کی نگاہیں ایک

دم اِس طرح پھیلیں کہ پورے کمرے پر حاوی ہوگئیں — اماں، ابا کا ساکت جسم، میں جو ایک کھڑکی کے قریب سکڑا ہوا بیٹھا تھا — بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ وہ کمرہ، وہ پورا گھر، وہ پوری بستی، سب بیک وقت اُس کی نظر میں تھے۔ پھر اُس نے اپنی نگاہیں صرف اماں پر مرکوز کر دیں اور معلوم ہوتا تھا کہ اُس کی نظر میں اُن کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے۔

''نہیں میرین۔ کیا یہ ممکن ہے کہ میں تم کو اپنے ذہن سے خارج کر دوں اور پھر بھی وہی رہوں جو میں ہوں۔''

اُس نے اُن پر سے نظریں ہٹا کر دور اندھیری فضا میں تکنا شروع کر دیا۔ اُس کا چہرہ سخت ہوگیا۔ اُس کے خیالات ایک دم اُس بات پر جا پہنچے جو بستی میں پیش آنے والی تھی۔ وہ ایسا خاموش تھا اور ایسی آہستگی سے حرکت میں آیا کہ احساس بھی نہ ہوا، اور دیکھتے دیکھتے کمرے کے باہر تاریکی میں گم ہوگیا۔

باب-۱۴

مجھے کوئی طاقت اُس رات گھر میں نہیں روک سکتی تھی۔ میرے ذہن میں سوائے شین کے ساتھ کھنچے چلے جانے کی بے تحاشا خواہش کے اور کچھ نہ تھا۔ میں دم سادھے موقع کی تاک میں بیٹھا تھا۔ سانس تک لینے کی ہمت نہ تھی۔ اماں اُسے جاتا دیکھتی رہیں۔ میں بس اتنا ٹھہرا کہ وہ ابا کی طرف متوجہ ہوئیں اور اُن پر جھک گئیں۔ بس میں پھر چوکھٹ سے نکل کر برساتی میں آ گیا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے خیال کیا کہ اُنھوں نے مجھے دیکھ لیا ہے، لیکن یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ اور اُنھوں نے مجھے آواز بھی نہ دی۔ میں دبے پاؤں سیڑھی سے اُترا اور رات کی وسعت میں گم ہو گیا۔

شین کہیں نظر نہ آیا۔ میں گھنے سائے میں کھڑا اِدھر اُدھر نظریں دوڑا رہا تھا۔ آخر کار میں نے ایک بار پھر اُسے کھلیان سے نکلتے دیکھا۔ چاند پہاڑوں کے بالکل قریب اُبھر رہا تھا۔ شفاف، چمکیلا ہلال۔ اُس کی روشنی میرے لیے اُس کے جسم کے خطوط دیکھ لینے کو کافی تھی۔ وہ اپنے گھوڑے کی زین اُٹھائے ہوئے تھا۔ اور جب میں نے دیکھا کہ اُس کے ساتھ اُس کا بستر بھی ہے تو میرے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔

وہ چراگاہ کے دروازے تک گیا، نہ بہت آہستہ نہ بہت تیز۔ ہموار اور مضبوط قدم رکھتا ہوا۔ اُس کی ہر حرکت بلی کے سبک پنجوں کی طرح نپی تلی اور پھرتیلی تھی — ایک خاموش، خوفناک اقدام کی سی کیفیت۔ میں نے وہیں دروازے کے پاس اُس کی ہلکی سی سیٹی کی آواز سنی، اور چراگاہ کے دوسرے سرے پر اُس کا گھوڑا تاریکی میں سے نمودار ہو گیا۔ اُس کے کھروں کی کوئی آواز لمبی لمبی گھاس میں سنائی نہ دیتی تھی۔ ایک سیاہ مضبوط پیکر کے ترشے ہوئے خطوط چاندکی روشنی میں نمودار ہوئے اور کھیت سے گزرتے ہوئے سیدھے اُس کی طرف

بڑھتے چلے آئے۔

میں جانتا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہوگا۔ میں اصطبل کی باڑھ سے لگا لگا اُسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے چلا یہاں تک کہ سڑک پر آ گیا۔ جوں ہی میں اصطبل کے نکڑ پر پہنچا اور کھلیان اور اصطبل میرے اور چراگاہ کے درمیان حائل ہو گئے، میں نے انتہائی تیزی سے بستی کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ میرے پاؤں سڑک پر بچھی ہوئی گرد کی موٹی تہہ میں ہلکے ہلکے دھنستے ہوئے پڑ رہے تھے۔ میں روز اِس راستے پر سکول آتے جاتے بھاگتا تھا مگر یہ مجھے کبھی اتنا لمبا نہ معلوم ہوا تھا کہ مجھے تھکاتا اور چڑانا چاہتا ہے۔

میں یہ کیسے گوارا کرتا کہ وہ مجھے دیکھ لے۔ بھاگتے میں میں برابر گردن موڑ موڑ کر دیکھتا رہا۔ جب میں نے اُسے سڑک پر مڑتے ہوئے دیکھا تو میں آئی جانسن کے مکان سے کافی آگے بڑھ آیا تھا اور جپ سٹیڈ کے مکان کے پاس سے نکل کر اُس میدان میں داخل ہونے ہی والا تھا جو بستی کے سرے پر تھا۔ میں فوراً سڑک کے ایک طرف ہو کر ملبری کی جھاڑیوں کے پیچھے دبک گیا۔ سانس قابو میں کرتے ہوئے میں نے وہیں آلتی پالتی ماردی کہ وہ گزر چکے تو اُٹھوں۔ گھوڑے کی ٹاپ، اور میرے اپنے دل کی دھڑکن بھی، میرے کانوں میں گونجتی رہی اور تیز ہوتی گئی۔ میں اپنے تصور میں شین کو دوڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور سمجھا کہ وہ میرے قریب سے گزر رہا ہے۔ مگر جب میں نے جھاڑیاں ہٹا کر جھانکا تو دیکھا کہ وہ درمیانی رفتار سے جا رہا تھا اور مجھ سے ذرا ہی آگے تھا۔

چاندکی روح پرور مدھم مدھم روشنی میں اُس کی طویل اور پُر شکوہ ہیئت بڑی بارعب معلوم ہو رہی تھی اور زیادہ پُر ہیبت ہوتی جا رہی تھی۔ یہی وہ شخص تھا جسے میں نے اُس دن دیکھا جب وہ پہلی بار وادی میں آیا تھا۔ ایک پُر اسرار، الگ تھلگ اجنبی، جو اپنے نامعلوم ماضی میں سے ایک دم برآمد ہوا اور، یکہ و تنہا، اپنے اٹل عزم کو لیے آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ مجھے نا آزمودہ انسانی قوتوں کے اُن تمام دھندلے بے نام تصورات کا ایک نشان نظر آ رہا تھا جن کا سمجھنا اُس وقت میری بساط سے باہر تھا۔ اُس کی خطرناک وضع سے دوچار ہونا ایک سخت جسمانی واسطے کے

برابر تھا۔

میں اپنے آپ کو روک نہ سکتا تھا۔ ایک زور کی چیخ ماری اور لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھلوں وہ گھوڑے سے اتر کر میرے پاس پہنچ چکا تھا۔ اُس نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے مجھے اُٹھالیا جن کا لمس میرے لیے بڑا تقویت بخش تھا۔ میں نے اُس کی طرف نمناک آنکھوں سے ڈرتے ڈرتے دیکھا مگر ایک ہی نظر میں تمام ڈر دل سے نکل گیا۔ یہ کوئی اجنبی نہ تھا۔ وہ تو محض اُس اندھیرے کا دھوکا تھا۔ وہ شین تھا۔ اُس نے مجھے ہلکے سے جھنجھوڑا اور مسکرا دیا۔

''ہابی بچے۔ یہ تمھارے باہر نکلنے کا وقت نہیں ہے۔ جاؤ گھر جا کر اپنی اماں کا ہاتھ بٹاؤ۔ میں نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

اُس نے مجھے چھوڑ دیا اور آہستہ سے مڑ کر دور وادی میں تکنے لگا جو روپہلی چاندنی میں چمک رہی تھی۔ ''آؤ دیکھو باب! اس منظر کو ہمیشہ کے لیے ذہن نشین کرلو۔ یہ ایک بڑی حسین وادی ہے۔ کسی لڑکے کو اس سے بہتر کون سی جگہ میسر ہوگی جہاں اُسے صحیح روحانی پرورش حاصل ہو جیسی کہ ہر آدمی کو حاصل ہونی چاہیے۔''

میری نگاہیں بھی اُس کی نگاہ کے ساتھ ساتھ گئیں اور مجھے محسوس ہوا کہ جیسے میں نے اپنی وادی کو آج پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔ جذبات کی شدت میری برداشت سے باہر ہوگئی تھی۔ میرا دم گھٹنے لگا اور میں نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ مگر وہ وہاں نہ تھا۔

وہ رکاب میں پاؤں رکھ رہا تھا۔ اور معاً دو شکلیں، انسان اور گھوڑا، مل کر ایک ہو گئے اور سڑک سے اُن زرد زرد چوکور نشانوں کی طرف بڑھنے لگے، یعنی پون میل دور پر گرافٹن کی کھڑکیوں کی روشنی کی جانب۔ میں اُس کے پیچھے بھاگا اور بیچ سڑک پر بے تحاشا دوڑتا چلا گیا۔

اُس نے مجھے دیکھا یا نہ دیکھا، بہرحال وہ بڑھتا رہا۔ عمارت کی لمبی برساتی میں سیلون کے دروازوں کے پاس کئی آدمی تھے۔ ریڈ مارلن اپنے بالوں کے سبب الگ پہچانا جاتا تھا۔ وہ سڑک کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ جیسے ہی سٹور کے سامنے والی بڑی کھڑکی کی روشنی شین پر پڑی، وہ سب سنبھل گئے۔ ریڈ مارلن جس کے چہرے پر بڑی چونک جانے والی کیفیت نمودار

تھی، دروازے میں غڑاپ سے گھس گیا۔

شین رکا۔ بنگلے کے قریب نہیں بلکہ سٹور کی طرف سیڑھیوں کے پاس۔ جب وہ گھوڑے سے اُترا تو اُس نے لگام گھوڑے کے سر پر نہیں لٹکائی جیسا کہ چرواہے لڑکوں کا دستور تھا، بلکہ کاٹھی کے اُبھرے ہوئے حصے پر اٹکا دی۔ اور معلوم ہوتا تھا جیسے گھوڑا جانتا تھا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ وہ سیڑھیوں کے بالکل پاس گردن اُٹھائے ساکت کھڑا تھا، فوری خدمت کے لیے بالکل آمادہ اور مستعد۔

شین برساتی میں سے گزرا اور قدرے ٹھٹکا۔ وہ دو آدمی اب بھی وہاں موجود اور اُس کے مقابل تھے۔

''فلیچر کہاں ہے؟''

اُنھوں نے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر شین کو۔ اُن میں سے ایک نے کہنا شروع کیا۔ ''وہ نہیں چاہتا کہ......'' شین کی آواز نے اُسے روک دیا۔ یہ آواز ایک طمانچے کی طرح اُن پر پڑی اور اس دھیمی آواز میں ایک ایسی تیزی تھی کہ ذہن کو چیرتی چلی جائے۔

''فلیچر کہاں ہے؟''

اُن میں سے ایک نے ہاتھ کو دروازوں کی طرف جنبش دی اور پھر جیسے ہی وہ اُس کے راستے میں سے ہٹنے لگے، اُس کی آواز نے اُن کو پھر چونکا دیا۔

''اندر جاؤ۔ سیدھے۔ بار کے پاس۔ بغیر مڑے۔''

وہ اُس کا منہ تکنے لگے اور بے چینی سے پہلو بدلے۔ دونوں ایک ساتھ دروازے میں گھسنے لگے۔ جیسے ہی دروازے کے پٹ کھل کر اپنی جگہ واپس آئے، شین نے دونوں پٹوں کو ایک ایک ہاتھ میں لپک لیا۔ پھر اپنی طرف کھینچ کر پورا دروازہ کھولا اور ایک دم اندر سنک گیا۔

میں جلدی کے مارے بے اوسان، گرتا پڑتا، سیڑھیوں پر چڑھ کر سٹور میں پہنچا۔ وہاں سام گرافٹن اور مسٹر ویئر دو ہی آدمی تھے، اور دونوں سیلون کے دروازے کی طرف اس انہماک سے بڑھ رہے تھے کہ اُنھوں نے مجھے بھی نہیں دیکھا۔ وہ دروازے پر رکے۔ میں اُن کے پیچھے

ہولیا اور اپنی خاص نشست یعنی اُس صندوق کے اوپر جا بیٹھا جہاں سے میں اُن کے پیچھے بیٹھا سب کچھ دیکھ سکتا تھا۔

بڑا کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ تقریباً سبھی آدمی جو بستی میں نظر آیا کرتے تھے وہاں موجود تھے، سوائے ہمارے پڑوسیوں کے۔ بعض اور لوگ بھی تھے جنھیں میں نے پہلے نہ دیکھا تھا۔ وہ کھوے سے کھوا بھڑائے تمام بار کو گھیرے بیٹھے تھے۔ میزیں بھی بھری ہوئی تھیں اور بہت سے آدمی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ پشت کی جانب وہ بڑی گول میز جس پر پوکر کھیلا جاتا تھا، چھوٹی بالکونی والے زینے اور گرافٹن کے دفتر کے دروازے کے درمیان، گلاسوں اور برتنوں سے لدی ہوئی تھی۔ اس بات پر جتنے کھڑے تھے سب متعجب معلوم ہوتے تھے کہ میز کے دوسرے سرے پر ایک خالی کرسی بھی پڑی ہے۔ اُس پر ضرور کوئی بیٹھا تھا اس لیے کہ برتن اپنی جگہ پر رکھے تھے، اور ایک اَدھ جلا سگار بھی جس میں سے دھوئیں کا چکر لہراتا ہوا اُٹھ رہا تھا اُن کے برابر رکھا ہوا تھا۔ ریڈ مارلن پشت کی دیوار سے سہارا لگائے اُس کرسی کے پیچھے کھڑا تھا۔ جیسے ہی میری نظر اُس پر پڑی، اُس نے دھوئیں کی طرف نگاہ کی اور کچھ چونک سا گیا۔ وہ بے خیالی کے سے انداز میں قصداً کرسی پر آ بیٹھا اور سگار اُٹھالیا۔

چھت کے قریب ایک ہلکا سا دھوئیں کا بادل سب سروں پر چھایا ہوا تھا اور لٹکے ہوئے لیمپوں کے گرداگرد دھوئیں کے پیچ لہرا رہے تھے۔ گرافٹن کے سیلون کا منظر اکثر گہما گہمی کی راتوں میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ پھر بھی کچھ گڑبڑ تھی ضرور، اور کسی چیز کی کسر محسوس ہوتی تھی — وہ چہل پہل اور آوازوں کی گونج جو اس منظر میں ہونی چاہیے تھی اور جو اس کا جزو تھی، اُس کے بجائے ایک ایسا سکوت طاری تھا جو اس فضا پر ہنگامے سے بھی زیادہ حاوی تھا۔ کمرے میں ہر شخص کی توجہ جیسے یکجا ہو کر اُس پُراسرار شخص پر مرکوز تھی جو سپرنگ دار کواڑوں کے بالکل قریب اُن سے پیٹھ لگائے کھڑا تھا۔ اُس وقت شین اصل شین تھا — اُن معرکوں کا مرد جن کے خواب میں دیکھا کرتا تھا۔ وہ بردبار، ہوشیار، اور اس بھرے کمرے کی طرف رخ کیے ایک تنہائی کے سے عالم میں کھڑا تھا جو دراصل اُس کی بھرپور، اٹل شخصیت کی یکتائی کا نام تھا۔

اُس کی نظروں نے کمرے کا جائزہ لیا اور اُس آدمی پر جم گئیں جو ایک چھوٹی میز پر سامنے کے گوشے میں بیٹھا تھا اور ٹوپی پیشانی پر جھکائے ہوئے تھا۔ اُسے پہچانتے ہی میرا دل دھک سے ہو گیا۔ یہ سارجے وِلسن تھا جو بڑے تذبذب کے عالم میں شمین کو تک رہا تھا۔ شمین کی نگاہیں ہر شخص کو تاڑتی ہوئی بڑھتی گئیں۔ اور اب دیوار کے قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص پر جا رکیں اور اُن میں مسکراہٹ کی ایک خفیف سی جھلک پیدا ہوئی۔ اُس نے سر کو ایک ہلکی سی جنبش دی۔ یہ کرس تھا، دراز قد، دبلا پتلا۔ اُس کے لٹکے ہوئے بازو میں تختیاں بندھی ہوئی تھیں۔ جیسے ہی اُس نے سر کا اشارہ محسوس کیا، اُس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی دوڑ گئی اور اُس نے اپنا بوجھ ایک ٹانگ سے دوسری ٹانگ پر بدلا، شانے سیدھے کیے اور اُس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی جس میں دوستانہ گرمجوشی محسوس ہوتی تھی، ایک ایسے آدمی کی مسکراہٹ جو آخر کار کسی فیصلے پر پہنچ گیا۔

لیکن شمین کی نگاہیں پھر آگے بڑھ گئیں، اور ریڈ مارلن پر پڑیں تو کچھ سکڑ کر رہ گئیں۔ پھر یکا یک وِل اینگلے پر جا رکیں جو بار کے پیچھے دبکا ہوا سا کھڑا تھا۔

''فلیچر کہاں ہے؟''

وِل جھاڑن کو اپنی انگلیوں میں نچاتے ہوئے اٹک کر بولا۔ ''مجھے معلوم نہیں۔ تھوڑی دیر پہلے تو یہیں تھا۔'' معلوم ہوتا تھا وہ اس خاموشی میں اپنی آواز سے خود ہی خوفزدہ ہے۔ جھاڑن اُس کے ہاتھ سے گرا جسے اُس نے جھک کر اُٹھانا چاہا، مگر ٹھٹکا اور اپنے آپ کو سنبھالنے کے لیے اپنے ہاتھ بار کے اندرونی کنارے پر ٹکا دیے۔ شمین نے اپنے سر کو جنبش دے کر ہیٹ کے کنارے کو نظر کے سامنے سے کھسکایا۔ وہ کمرے کے پیچھے بالکونی کا جائزہ لے رہا تھا۔ بالکونی خالی تھی اور اُدھر کے سب دروازے بند تھے۔ پھر وہ بار کے آدمیوں کو نظر انداز کرتا ہوا کمرے کی پوری لمبائی طے کر گیا۔ دروازے سے گزر کر گرافٹن کے دفتر میں گیا اور پھر اُس کے پیچھے نیم تاریکی میں نکل گیا۔

پھر بھی خاموشی طاری رہی۔ وہ دوبارہ دفتر کی چوکھٹ میں نمودار ہوا اور اُس کی آنکھیں

ریڈ مارلن پر جم گئیں۔

''فلیچر کہاں ہے؟''

خاموشی بدستور اور ناقابلِ برداشت تھی، مگر اُسے ٹوٹنا ہی تھا۔ یہ آواز ٹارک ولسن کی تھی جو دور سامنے کے گوشے میں کرسی پر سے اُٹھ رہا تھا۔ وہ ڈھیلے ڈھالے سے انداز میں حقارت سے بولا۔ ''سٹیریٹ کہاں ہے؟''

یہ الفاظ ابھی فضا میں گونجے ہی تھے کہ شین کمرے کے سامنے والے گوشے کی طرف بڑھا۔ ولسن بھی بڑھ رہا تھا۔ وہ سپرنگ دار دروازوں کی طرف آیا اور اُس کے بائیں جانب دیوار سے چند قدم ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اِس جگہ سے وہ کرسیوں اور بار کے درمیان اُس تنگ سے راستے کو اچھی طرح دیکھ سکتا تھا جس پر چلتا ہوا شین اُس کی طرف آ رہا تھا۔

شین تقریباً تین چوتھائی راستہ طے کر کے ولسن سے کوئی پانچ گز کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے سر اُٹھا کر لمحہ بھر کے لیے ایک نظر پھر بالکنی پر ڈال لی اور اس کے بعد اُس کی نظریں صرف ولسن پر جم گئیں۔ اُسے یہ ترتیب کچھ پسند نہ آئی۔ تمام صدر دیوار ولسن کی طرف تھی اور وہ بیچ کمرے میں رہ گیا تھا۔ اُس نے اس پوزیشن کو جانچا، سمجھا، اور قبول کر لیا۔

وہ دونوں تنگ راستے پر آمنے سامنے کھڑے تھے اور دوسرے لوگ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے کمرے کے دوسری جانب نکل جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ولسن اپنے انداز سے بڑا بے عیار اور بے دھڑک نظر آ رہا تھا۔ اُسے اپنے اوپر پورا اعتماد معلوم ہوتا تھا اور صورتِ حال پوری طرح اُس کی نظر میں تھی۔ وہ ایسا بے خبر نہ تھا کہ اُس غضبناکی کو بھانپ نہ سکتا جو شین کی بظاہر نحیف ہیئت پر برس رہی تھی۔ مگر میں آج تک بھی یہ سمجھتا ہوں کہ اُسے اُس وقت تک گمان نہ تھا کہ ہماری وادی میں کوئی شخص بھی جان بوجھ کر اُس سے ٹکر لے گا۔

''سٹیریٹ کہاں ہے؟'' اُس نے شین پر تمسخر کی نظر ڈالتے ہوئے ایک دفعہ پھر کہا۔ لیکن اِس مرتبہ یہ سوال بڑی قطعیت کے ساتھ کیا گیا۔ شین یوں کھڑا رہا جیسے اُس نے کچھ سنا ہی نہیں۔

''مجھے چند باتیں فلیچر سے کہنی تھیں۔'' اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''لیکن وہ بعد میں ہوتی رہیں گی۔

تمھیں آگے آنے کا بہت شوق معلوم ہوتا ہے ولسن۔ میرا خیال ہے میں تم کو پہلے موقع دوں۔''

ولسن کے چہرے پر ذرا زیادہ تحمل پیدا ہوا اور اُس کی آنکھوں میں ایک ٹھنڈی سی چمک پیدا ہوئی۔ ''میرا تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔'' اُس نے صفائی سے کہا۔ ''چاہے تم سٹیریٹ ہی کے آدمی ہو۔ تم چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ میں کوئی مزاحمت نہ کروں گا۔ میں سٹیریٹ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''تم کیا چاہتے ہو اور کیا پاؤ گے ولسن، یہ دو مختلف باتیں ہیں۔ تمھاری خوں ریزی کے دن اب ختم ہوئے۔''

ولسن کو جواب مل گیا تھا۔ دیکھنے والا اندازہ کر سکتا تھا کہ اُس نے اس کے معنی سمجھ لیے ہیں۔ یہ خاموش آدمی اب اُسے اُسی طرح اُکسا رہا تھا جیسے اُس نے ایری رائٹ کو اُکسایا تھا۔ اُس نے شین کی جو تھاہ لی، وہ اُس کی خواہش کے مطابق نہ تھی۔ اُس کے چہرے سے خوف نہیں بلکہ ایک گومگو کا عالم ٹپکتا تھا مگر اس صورتِ حال سے گریز کی کوئی صورت نہ تھی۔ وہ نرم آواز اُس کو اُسی لمحے اٹل طور پر للکار رہی تھی۔

''میں منتظر ہوں ولسن۔ کیا مجھے تم سے اصرار کرنے کی ضرورت ہے کہ اپنا ہتھیار سنبھالو؟''

وقت کی رفتار گویا تھم گئی اور معلوم ہوتا تھا کہ دنیا میں اِن دو آدمیوں کے وجود کے سوا جو ایک دوسرے کی آنکھوں میں سے ابدیت کی طرف جھانک رہے تھے، اور کوئی چیز وجود نہیں رکھتی۔ پھر وہ اچانک یوں حرکت میں آئے کہ کمرہ لرز اُٹھا۔ اُن کے وار کی پھرتی حیرت انگیز تھی جس کا تعاقب نظر کے لیے محال تھا، اور دونوں کے پستول ایک ہی لمحے ہم آواز ہو کر گونج گئے۔ شین سیدھا چتنار درخت کی طرح زمین پر پاؤں جمائے کھڑا تھا، لمبی قامت اور بھاری بھرکم، اور ولسن جھوک کھا گیا۔ اُس کا دایاں بازو بے کار ہو کر لٹک رہا تھا۔ اُس میں سے خون کی رِستی ہوئی دھاری آستین کے اندر سے نکل کر ہاتھ پر بہہ آئی۔ سُن ہوتی ہوئی انگلیوں میں سے پستول چھوٹ کے گر پڑا۔

اُس نے دیوار سے کمر لگالی۔ اُس کے کھنچے ہوئے نقوش کہہ رہے تھے کہ وہ اس تلخ حقیقت کو تسلیم کرنے میں اب بھی تامل کر رہا ہے۔ اُس کا دایوں بازو مڑا اور دوسرا ہتھیار نمودار ہوا۔ مگر شین کی گولی پہلے ہی اُس کے سینے میں پیوست ہوئی۔ اُس نے گھٹنے ٹیک دیے اور دیوار پر سے ایک جانب پھسلنے لگا۔ حتی کہ بے جان جسم اپنے بوجھ سے آپ دب کر فرش پر پہلو کے بل لڑھک گیا۔

شین کی نظریں درمیانی خلا کو تکتی رہیں اور اُس نے پستول خانے میں ڈالا تو محسوس ہوا کہ وہ اُس وقت اور سب کچھ بھول چکا ہے۔ ''میں نے اسے موقع دے دیا تھا۔'' اُس نے زیرلب بڑے غمگین لہجے میں کہا۔ مگر اُن الفاظ میں میرے نزدیک کوئی معنی نہ تھے کیونکہ میں نے اُس کی پیٹی سے ذرا اوپر بکسوئے کے ایک طرف قمیص کے گہرے بھورے رنگ میں ایک اور بھی گہرے رنگ کا نشان بتدریج پھیلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ پھر اُسے اوروں نے بھی دیکھا۔ اور پھر ایک کھلبلی سی ہوئی اور کمرے میں دوبارہ زندگی کے آثار نمودار ہونے لگے۔

کچھ آوازیں ضرور آ رہی تھیں مگر اُن پر کسی کی توجہ ٹھہرنے نہ پائی۔ فوراً ہی ان آوازوں کو ایک اور تڑاقے نے ختم کر دیا جو کمرے کی پشت پر سے سنائی دیا۔ ہوا کا ایک زناٹا سا شین کے کندھے پر سے اُس کی قمیص کو چھوتا ہوا گزرا اور سامنے کے رخ کھڑکی کا نچلا شیشہ۔ چور چور ہو گیا۔

اور پھر میں نے کچھ اور دیکھا۔

یہ صرف میں نے ہی دیکھا۔ دوسرے لوگ گھوم گھوم کر کمرے کی پشت کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میری نظریں صرف شین پر تھیں۔ میں نے دیکھا کہ اُس کا سالم وجود پلک جھپکتے ایک ساتھ جنبش میں آیا۔ میں نے دماغ کے اشارے پر جسم کو بجلی کی سرعت کے ساتھ گھومتے اور ٹانگوں کی برق آسا قوت کو حرکت میں آتے ہوئے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ اُس کا بازو جھپک کر اُٹھا اور ایک ہی چشمک میں پستول نکالا جیسے کوئی صرف انگلی اُٹھا دے، اور اُس کے ساتھ ہی ایک شعلہ نکلا جب کہ جسم ابھی حرکت ہی میں تھا۔

اور اوپر، بلکنی میں، دوسرا وار کرتے ہی کرتے۔ فلیچر کھڑے کھڑے جھوما اور اپنی پشت پر کھلے ہوئے دروازے ہی کی طرف گرا۔ اس نے پنجوں سے چوکھٹ کو پکڑ کر خود کو ذرا آگے گھسیٹا۔ پھر لڑکھڑا کر جنگلے سے ٹکرایا اور دوبارہ پستول سنبھالنا چاہا۔ مگر اُس کی قوت ساقط ہو رہی تھی۔ وہ جنگلے ہی پر ڈھے گیا اور اُسے ساتھ لیے زمین پر آ رہا۔

○

کمرے کی حیرت میں ڈوبی ہوئی ویران خاموشی میں شین کی آواز بڑی دور سے آتی ہوئی معلوم ہوئی۔ ''میں سمجھتا ہوں اب یہ قصہ ختم ہوا۔'' اُس نے تقریباً نادانستہ، بغیر نظر جھکائے، پستول کا کھانچا کھولا اور اُسے پھر بھر لیا۔ اُس کی قمیض کا دھبہ اب بڑا ہو گیا تھا اور پنکھیا کی شکل میں پٹی سے اُدھر پھیلتا جا رہا تھا۔ مگر شاید اُسے اس کا علم یا احساس نہیں تھا۔ اُس کے اعضا میں سستی آ گئی تھی جیسے بڑی ہی زبردست تکان کے اثر سے مغلوب ہوں۔ ہاتھ اب بھی مضبوط اور جچے تلے تھے مگر اُن کی جنبش سست تھی، اور پستول اپنے بوجھ سے آپ ہی اپنے خانے میں چلا گیا۔

وہ الٹے پاؤں چلتا کمانی دار دروازے تک آیا حتیٰ کہ اُس کے شانے اُس سے بھڑ گئے۔ اُس کی آنکھوں کی چمک بجھتے دیے کی طرح ٹمٹمانے لگی تھی۔ اور جب وہ وہاں کھڑا تھا تو ایک عجیب بات ہوئی۔

اُسے کوئی کس طرح بیان کرے، اُس تبدیلی کو جو اُس میں اچانک ظاہر ہوئی۔ اُس کے ارادے کی زبردست قوت اُس کے جسم کے ریشے ریشے سے نمودار ہوگئی۔ ایک زبردست رو بڑی سبک خرامی کے ساتھ ساری نقاہت، تکان اور کمزوری پر غالب آتی ہوئی بڑھی۔ اس کی چمک اُس کی آنکھوں میں بھی نظر آئی اور وہ پھر مستعد اور منور ہو گئیں۔ وہ اس طرح جوش کھا کر اُبھری کہ اُس کا کیف اور اُس کا آہنگ اُس کے جسم کے تمام خطوط اور ایک ایک جنبش میں محسوس ہونے لگا۔

اُس نے کمرے کی طرف رخ کر کے ایک ایک چہرے کو پھر ایک ہی چھچھلتی ہوئی نظر

میں بھانپ لیا، اور اُن سے اپنے مخصوص دھیمے اور بردبار لہجے میں اُسی قطعیت کے ساتھ بولا۔

''اب میں گھوڑے پر سوار ہو کر جاتا ہوں۔ تم میں سے کوئی بھی میرے پیچھے نہیں آئے گا۔''

پھر اُس نے لاپروائی سے پیٹھ موڑی، اِس اعتماد کے ساتھ کہ وہ جیسا کہا گیا ہے ویسا ہی کریں گے۔ وہ بڑے وقار کے ساتھ کمر سیدھی کیے دروازے کے اندر بیرونی تاریکی کے بالمقابل کھڑا ہوا نظر آیا، اور دوسرے لمحے دروازے کے پٹ ہلکی سی آہٹ کے ساتھ بند ہو گئے۔

○

اب کمرے میں یکبارگی جان پڑی اور حرکت نظر آئی۔ لوگ فلچر اور ولسن کی لاشوں کے گرد جمع ہونے لگے۔ کچھ بار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ سب بڑے جوش و خروش سے باتیں کر رہے تھے۔ البتہ کوئی بھی دروازے کے قریب نہ پھٹکتا تھا۔ سب دروازوں سے ذرا الگ الگ تھے جیسے کسی نے حدِ فاصل کھینچ رکھی ہو۔

مجھے اس سے دلچسپی نہ تھی کہ یہ لوگ کیا کر رہے یا کیا کہہ رہے ہیں۔ مجھے تو لپک کر شین کے پاس جانا تھا اور وقت پر پہنچنا تھا۔ مجھے اُس سے کچھ پوچھنا تھا، جو وہی بتا سکتا تھا۔

میں سٹور کے دروازے سے دوڑ کر باہر آیا اور بروقت پہنچا۔ وہ گھوڑے پر بیٹھ چکا تھا اور سیڑھیوں کے پاس سے چل پڑا تھا۔

''شین۔'' میں نے تڑپ کر آواز دی۔ قدرے اونچی مگر اس طرح کہ اندر کے لوگ نہ سن پائیں۔ ''سنو شین۔''

اُس نے میری آواز سنی اور باگ موڑ کر آیا۔ میں اُس کے پاس دوڑ کر پہنچا اور رکاب کے برابر کھڑا ہو کر نظر اُٹھائے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

''ہاں۔ ہاں بچے! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''میں تو جب سے یہیں تھا۔'' میں بولا۔ ''تم کو مجھے بتانا پڑے گا۔ کیا یہ ولسن کے ہاتھ

ہے؟"

اُسے معلوم تھا کہ مجھے کاہے کی تشویش ہے۔ وہ ہمیشہ سمجھ لیتا تھا۔ "ہاں اولسن بڑا پھرتیلا تھا۔" اُس نے کہا۔ "اتنا پھرتیلا آدمی میں نے نہیں دیکھا۔"

"خیر ہوگا۔ میری بلا سے۔" میں نے کہا۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

"میری بلا سے وہ سب سے پھرتیلا آدمی سہی۔ مگر وہ تم کو گولی نہیں مار سکتا تھا۔ بتاؤ کیا مار سکتا؟ تم تو اُسے پہلے ہی دھر لیتے۔ ہے نا؟ اگر تمھاری مشق نہ چھوٹتی۔"

وہ ایک لمحہ ٹھہرا۔ اُس نے میری طرف نظر کی۔ بلکہ اندر تک دیکھ لیا۔ اُسے معلوم تھا کہ بچوں کے دماغ میں کیا کیا گزرتا رہتا ہے اور انھیں ابتدائی اُٹھان کے دنوں میں اپنے الجھے ہوئے بھیانک تجربات کے درمیان اپنی اندرونی پاکیزگی کو برقرار رکھنے کے لیے کاہے کی ضرورت ہوتی ہے۔

"ٹھیک ہے باب۔ یہی بات ہے۔ وہ تو پستول بھی نہ نکالنے پاتا۔" وہ میری طرف جھکا اور اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھ دیا۔ مگر درد کی ٹیس کوڑے کی طرح اُس کے جسم پر لگی اور اُس کا ہاتھ فوراً ہی پلٹ کر پیٹی کے پاس قمیص کے اوپر پہنچ گیا۔ اُس نے زور سے اپنا ہاتھ دبایا اور زین پر بیٹھے بیٹھے تھوڑا سا جھوم گیا۔

میری اپنی تکلیف بھی میری برداشت سے باہر تھی۔ میں چپکا اُسے تکتا رہا، اور پھر بچہ ہی تو تھا، پلٹ کر گھوڑے کے گرم و گداز پہلو میں منہ چھپا لیا۔

"باب"

"ہاں شین!"

"انسان جیسا بنا ہے ویسا ہی رہے گا۔ تم اُسے کسی دوسرے سانچے میں نہیں ڈھال سکتے۔ میں نے اس کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ لیکن مجھے شروع ہی سے معلوم ہوگیا تھا کہ یہ بھی تقدیر میں ہے۔ جب میں نے اُس بنگلے پر ایک لڑکے کا چھوٹا سا، دھندلا سا نقش دیکھا، اُس کے پیچھے ایک ایسا آدمی بھی نظر آتا تھا جو اُس لڑکے کو ایسے موقع سے فائدہ اُٹھا کر اپنے

آپ کو کچھ بنانے میں مدد دے سکتا تھا، جو کسی اور لڑکے کو میسر نہ ہوا ہوگا۔"

"مگر۔ مگر شین۔ تم تو ..."

"انسان خون کرنے کے بعد ہوئی کو ان ہوئی نہیں کر سکتا۔ اچھا ہوا یا برا، خون ہو کر رہا، اور اس کا دھبا مٹ نہیں سکتا۔ اب تم پر منحصر ہے۔ جاؤ اپنے ابا اماں کے پاس جاؤ۔ مضبوط اور ثابت قدم رہو۔ اور اُن کا خیال رکھو، دونوں کا۔"

"اچھا شین۔"

"اب ایک ہی کام اور رہ گیا ہے جو میں اُن کے لیے کر سکتا ہوں۔"

گھوڑا مجھ سے الگ ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ شین سڑک پر سے اُن میدانوں کی طرف دیکھ رہا تھا جدھر وہ جاتی تھی، اور گھوڑا باگ کے خاموش اشارے پر چلنا شروع ہو گیا تھا۔ وہ دور جا رہا تھا، اور مجھے معلوم تھا کہ کوئی لفظ اور کوئی خیال اُسے روک نہیں سکتا۔ وہ قد آور گھوڑا، متحمل اور مضبوط، اب اپنی اُس چال پر آ گیا تھا جس چال سے وادی میں داخل ہوا تھا۔ اور وہ دونوں، گھوڑا اور آقا، کھڑکی کی روشنی سے دور ہو کر ایک واحد نقش بن گئے تھے۔

میں دیر تک اُسے گھور گھور کر دیکھنے کی کوشش کرتا رہا، اور پھر چاندنی میں مجھے وہ نقش دور تاریکی میں گم ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ میں اپنی تنہائی میں کھویا ہوا اُسے بستی سے پرے، دور سڑک پر جاتے ہوئے دیکھتا رہا جہاں وہ مڑ کر نچلے میدانوں میں پہنچ جاتی ہے۔ میرے پیچھے برساتی میں اور آدمی بھی تھے مگر مجھے صرف اُسی سیاہ نقش کا احساس تھا جو دور سڑک پر مسلسل چھوٹا اور زیادہ دھندلا ہوتا جا رہا تھا اور اُس کے خطوط اندھیرے میں ضم ہوتے جا رہے تھے۔ چاند پر ایک بادل چھا گیا اور وہ پھیلی ہوئی تاریکی میں گم ہو گیا، اور پھر میری نگاہیں اُسے نہ دیکھ سکیں۔ پھر بادل ہٹا اور سڑک ایک باریک فیتے کی طرح اُفق تک لہراتی ہوئی نظر آنے لگی، اور وہ غائب ہو گیا۔

میں لڑکھڑا کر اپنے پیچھے سیڑھیوں پر گرا اور سر دونوں ہتھیلیوں پر رکھے اپنے آنسو چھپانے کی کوشش کرنے لگا۔ میرے اردگرد لوگوں کی آوازیں مجھے ایک بے معنی شعور معلوم ہو رہی تھیں جو دنیا کے تاریک خلا میں اُبھر رہا تھا۔ مسٹر ویئر نے مجھے گھر لا کر چھوڑا۔

باب-۱۵

ابا اور اماں باورچی خانے میں تھے، بالکل اُسی طرح جیسا میں چھوڑ کر گیا تھا۔ اماں نے اپنی کرسی ابا کے قریب کھسکائی تھی۔ وہ اُٹھ بیٹھے تھے۔ اُن کا چہرہ تھکا ماندہ اور بے رونق نظر آ رہا تھا۔ وہ بدنما سرخ دھبا اُن کے سر کے ایک طرف صاف دکھائی دیتا تھا۔ وہ دونوں ہم سے ملنے کو نہیں بڑھے بلکہ خاموش بیٹھے ہم کو دروازے میں آتا ہوا دیکھتے رہے۔

اُنھوں نے مجھے دھمکایا بھی نہیں۔ اماں نے ہاتھ بڑھا کر مجھے اپنی طرف کھینچا اور گود میں لٹا لیا، شاید تین سال یا اس سے بھی زیادہ کے بعد۔ ابا مسٹر ویز کی طرف صرف دیکھتے رہے۔ وہ پہلے بولتے ہوئے جھجک رہے تھے۔

''تمھارے سب فکر دور ہو گئے سٹیریٹ۔''

ابا نے سر ہلایا۔ ''تم مجھ سے یہ کہنے آئے ہو'' اُنھوں نے بے دلی سے کہا۔ ''کہ اُس نے ولسن کو مار گرایا اس سے پہلے کہ وہ لوگ اُس پر قابو پاتے۔ مجھے معلوم ہے۔ وہ کون تھا؟ وہ شمین تھا!''

''ولسن کو۔ ہاں۔ اور فلیچر کو بھی!'' مسٹر ویز بولے۔

ابا چونک پڑے۔ ''فلیچر کو بھی؟ قسم سے؟؟ بالکل ٹھیک۔ وہ ایسا ہی کرتا۔'' پھر ابا نے ایک آہ بھری اور انگلی سے اپنے سر کے نیل کو چھوا۔ ''اُس نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ یہی ایک کام ہے جو وہ خود کرے گا۔ میں تم کو بتاؤں ویز کہ یہاں بیٹھ کر انتظار کرنا میرے لیے کتنا کٹھن تھا۔''

مسٹر ویز نے نیل کی طرف دیکھا۔ ''میرا بھی یہی خیال تھا۔ سنو سٹیریٹ۔ بستی میں کون نہیں جانتا کہ تم اپنی مرضی سے نہیں لڑے۔ اور سب بہت خوش ہیں کہ آج رات سیلون میں تم نہ

آئے، بلکہ شین پہنچا۔"

"ابا تم اُسے دیکھتے۔" میں بے اختیار بولا۔ "وہ۔ وہ کتنا ..." میں جلدی سے کوئی لفظ نہ ڈھونڈ سکا۔ "کتنا خوبصورت لگ رہا تھا۔ اور اگر اُس کی مشق نہ چھوٹی تو ولسن اُسے چھو بھی نہ سکتا۔ اُس نے مجھ سے خود کہا۔"

"اُس نے کہا۔" ابا کرسی سے اُٹھے تو میز دھک اُٹھی۔ اُنھوں نے مسٹر ویئز کا کوٹ سامنے سے پکڑ لیا۔ "خدا کے لیے بھلے آدمی، تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟ وہ زندہ تو ہے؟"

"ہاں۔" مسٹر ویئز نے کہا۔ "وہ ٹھیک ہے۔ ولسن کی گولی اُس کے ضرور لگی۔ مگر اُس آدمی کو کسی کی گولی گرا سکتی ہے؟" ایک اچنبھے کی اور کھوئی سی کیفیت مسٹر ویئز کے چہرے پر پیدا ہوئی۔ "کبھی کبھی تو مجھے گمان ہوتا ہے کہ اُسے کوئی چیز بھی زیر نہیں کر سکتی۔"

ابا نے اُن کو جھنجوڑتے ہوئے پوچھا۔ "وہ ہے کہاں؟"

"وہ چلا گیا۔" مسٹر ویئز بولے۔ "وہ چلا گیا۔ بالکل اکیلا۔ کوئی اُس کے ساتھ نہ تھا۔ وہ یہی چاہتا تھا۔ وہ وادی کو چھوڑ گیا ہے۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں گیا ہے۔"

ابا کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ پھر اپنی کرسی پر آ گرے۔ اُنھوں نے اپنا پائپ اُٹھایا تو وہ اُن کی انگلیوں میں ٹوٹ کر رہ گیا۔ اُنھوں نے ٹکڑوں کو ہاتھ سے گر جانے دیا اور اُنھیں زمین پر پڑا ہوا دیکھتے رہے۔ وہ ابھی یونہی تک رہے تھے کہ سیڑھیوں پر کسی اور کے قدموں کی آواز سنائی دی اور ایک آدمی ہمارے کمرے میں آیا۔

یہ کرس تھا۔ اُس کا ہاتھ تختی میں جڑا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں ایک عجیب چمک تھی اور چہرہ تمتما رہا تھا۔ اپنے اُلٹے ہاتھ میں وہ ایک بوتل اُٹھائے ہوئے تھا، سوڈے کی میٹھی لال چیری کی بوتل۔ اُس نے سیدھا اندر آ کر اُسی ہاتھ سے میز ٹھیک کی اور بوتل میز پر رکھی تو دھماکے سے خود ہی چونک پڑا۔ وہ کچھ گھبرایا ہوا تھا اور اُس کی آواز نہ نکلتی تھی۔ مگر سنبھل کر بولا:

"یہ میں نے باب کے لیے لی ہے۔ میں شین کی برابری تو نہیں کر سکتا سٹیریٹ، مگر جیسے ہی یہ بازو درست ہوگا تمھاری خدمت کے لیے تیار ہوں گا۔ مجھے اپنے ساتھ کام پر لگا لینا۔"

ابا کے چہرے پر شکنیں اُبھریں اور ہونٹ ہلے مگر الفاظ نہ نکل سکے۔ اماں ہی بولنے پائیں۔ ''شمیں اسے ضرور پسند کرتا کریں۔''

مگر ابا پھر بھی کچھ نہ بولے۔ کرس اور مسٹر ویئر نے ابا کے چہرے پر نظر ڈالی تو ضرور محسوس کیا ہوگا کہ اس وقت اُن کو کسی بات سے تسکین نہیں ہو سکتی۔ وہ دونوں ساتھ ہی پلٹ گئے اور لمبے لمبے تیز قدم رکھتے ہوئے چل دیے۔

اماں وہاں بیٹھی ابا کو تکتی رہیں۔ ہم بھی واقعی کچھ نہ کر سکتے تھے۔ اس کیفیت کا وہ خود مقابلہ کر سکتے تھے۔ وہ ایسے ساکت تھے جیسے سانس بھی نہ چل رہا ہو۔ پھر اُن پر یکا یک ایک بے چینی طاری ہوئی اور وہ کھڑے ہو کر اِدھر اُدھر ٹہلنے لگے۔ اُنھوں نے دیواروں کو یوں گھورا جیسے وہ اُن کا دم گھونٹے دیتی ہیں، اور باہر چلے گئے۔ ہمیں گھر کے اردگرد اُن کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی رہی اور وہ کھیت کی طرف چل دیے۔ پھر ہم کچھ نہ سن سکے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ ہم کب تک وہاں بیٹھے رہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ لیمپ کی بتی دھیمی ہوگئی تھی اور پھر بھڑک کر بجھ گئی، اور اس تاریکی میں ایک سکون ایک آرام سا محسوس ہوا۔ آخرِ کار اماں اُنھیں مجھ اتنے بڑے لونڈے کو گود میں لیے۔ مجھے خبر نہ تھی کہ اُن میں اتنا دم ہے۔ اُنھوں نے مجھے بھینچ کر اُٹھا رکھا تھا۔ پھر وہ مجھے میرے چھوٹے کمرے میں لے گئیں اور کھڑکی میں سے آتی ہوئی چاند کی مدھم روشنی میں اُنھوں نے میرے کپڑے تبدیل کرائے، مجھے بستر میں لٹا کر اچھی طرح اُڑھا دیا اور پھر پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئیں۔ اور اب، کہیں اب جا کر اُنھوں نے مجھ سے سرگوشی میں کہا۔ ''ہاں باب۔ اب مجھے ساری باتیں بتاؤ۔ بالکل جیسے تم نے دیکھا۔''

میں نے اُن کو سارا ماجرا سنایا، اور ختم کر چکا تو اُنھوں نے زیرِ لب کہا۔ ''شکریہ۔'' پھر گردن اُٹھا کر کھڑکی کے باہر نظر ڈالی اور یہی لفظ پھر دوہرایا۔ اب یہ میرے لیے نہیں کہا گیا تھا۔ وہ برابر کھڑکی کے باہر ہی دیکھتی رہیں، اُس تمام وادی اور بھورے بھورے اونچے اونچے پہاڑوں کی طرف۔ حتیٰ کہ میں سو گیا۔

○

وہ ضرور تمام رات وہیں بیٹھی رہیں۔ میری آنکھ نیند سے چونکی تو صبح کا اجالا کھڑکی میں سے دکھائی دے رہا تھا اور بستر جہاں وہ بیٹھی تھیں وہاں سے ابھی تک گرم تھا۔ شاید میری آنکھ اُن کے اُٹھنے کی آہٹ سے ہی کھلی ہوگی۔ میں بستر سے نکل کر باورچی خانے میں پہنچا۔ وہ دروازے کے باہر آسمان کے نیچے کھڑی تھیں۔

میں نے جلدی جلدی کپڑے ٹٹول کر پہنے۔ دبے پاؤں باورچی خانے میں سے نکل کر اُن کے پاس پہنچا۔ اُنھوں نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور میں نے اُسے زور سے دبا لیا۔ یہ اچھا ہی تھا کہ ہم دونوں ساتھ تھے اور ساتھ ہی ساتھ ابا کو تلاش کرنے چلے۔

وہ ہمیں مویشیوں کے باڑے کے پاس ملے، پرلے سرے پر جہاں شین نے اُسے اور بڑھا دیا تھا۔ سورج دریا کے اُس پار پہاڑ کی چوٹیوں کے درمیان کی ایک گھاٹی میں سے اُبھر رہا تھا۔ اُس میں نصف النہار کی چمک دمک اور چکا چوند نہ تھی بلکہ طلوع کے وقت کی تازگی بخش اور گہرے سرخ رنگ کی سہانی روشنی تھی۔ ابا نے دونوں ہاتھ باندھ کر جنگلے پر ٹکا رکھے تھے اور اپنا سر اُن پر جھکا رکھا تھا۔ وہ ہمیں دیکھنے کے لیے مڑے تو جنگلے سے پشت لگا کر کھڑے ہوگئے، گویا اُنھیں سہارے کی ضرورت تھی۔ اُن کی آنکھوں کے گرد حلقے تھے اور وہ قدرے وحشت ناک ہو رہی تھیں۔

''میرین، میں اس وادی اور اس کی ہر چیز سے بیزار ہوگیا ہوں۔ اب اگر میں یہاں ٹھہرنے کی کوشش بھی کروں تو میرا دل یہاں نہ لگے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ تمھارے اور بچے کے لیے دشوار ہوگا، لیکن ہمیں یہاں سے اپنا ڈیرہ اُٹھانا ہی پڑے گا۔ مونٹانا ٹھیک رہے گا۔ میں نے سنا ہے وہاں بھی کوئی جا کر قبضہ کرے تو بہت زمین پڑی ہے۔''

اماں اُن کی بات سنتی رہیں۔ وہ میرا ہاتھ چھوڑ کر سیدھی کھڑی ہوگئی تھیں۔ اُنھیں اتنا طیش آ رہا تھا کہ آنکھیں جھپکنے لگیں اور ٹھوڑی تھرتھرانے لگی۔ پھر اُنھوں نے اُن کو بولنے نہ دیا۔

''جو۔ جو سٹیریٹ۔'' اُنھوں نے تڑاق سے کہا۔ اُن کے لہجے سے جوش ٹپک رہا تھا جسے صرف غصہ نہیں کہہ سکتے۔ ''تو تم شین کو چھوڑ کر یہاں سے بھاگ جانا چاہتے ہو، ٹھیک اُس

وقت جب کہ وہ واقعی یہاں بس چکا ہے۔''

''مگر میرین۔ تم کو غلط فہمی ہے۔ وہ تو یہاں سے جا بھی چکا۔''

''وہ ہرگز نہیں گیا۔ وہ ٹھیک یہیں، اسی جگہ پر موجود ہے جو اُس نے ہمیں دلائی ہے۔ وہ ہمارے چاروں طرف نظر آتا ہے اور ہمارے دلوں میں بھی موجود ہے، اور ہمیشہ رہے گا۔''

وہ دوڑ کر کونے والی اونچی بلی کے پاس گئیں جسے شین نے گاڑا تھا۔ اُنھوں نے اُس پر زور کے ساتھ اپنا ہاتھ مارا۔ ''ہاں جو۔ ذرا اس کو پکڑ کر ہلاؤ تو سہی۔ اُکھاڑ کے دیکھو۔''

ابا حیران کھڑے اُن کو دیکھ رہے تھے۔ مگر اُنھوں نے اُن کا کہنا کیا جسے اُس لمحے کوئی بھی نہ ٹال سکتا تھا۔ اُنھوں نے اُس سیدھی گڑی ہوئی بلی کو پکڑ کر زور سے کھینچا۔ اُنھوں نے اپنے سر پیر کا زور لگا ڈالا۔ اُن کے کاندھوں اور کمر کی قوی مچھلیاں سمٹ کر اُبھریں حتیٰ کہ میں سمجھا یہ قمیص بھی پھٹ جائے گی۔ بلی کی چرچراہٹ پوری باڑھ میں دوڑ گئی۔ بلی نے ذرا سی جنبش کی اور اُس کی جڑ کے پاس زمین تھوڑی سی تڑقی، مگر جنگلہ کھڑا رہا اور بلی کھڑی کی کھڑی رہی۔

ابا ہٹ گئے۔ اُن کے چہرے پر پسینے کے قطرے پھوٹ نکلے تھے اور اُن کی ایک روشن سی رو اُن کے تنے ہوئے گالوں پر بہ نکلی تھی۔

''تم نے دیکھا جو، میرا مطلب کیا تھا؟ یہاں ہماری جڑیں اتنی مضبوط گڑ چکی ہیں کہ ہم یہاں سے اُکھڑ نہیں سکتے۔''

صبح کی روشنی ابا کے چہرے پر چھا گئی، اُن کی آنکھوں میں چمکنے لگی، اور اُن کے چہرے پر ایک نیا رنگ، ایک نئی امید، ایک نئی فراست بن کر نمایاں ہوئی۔

باب-۱۶

میرے خیال میں اب سب کچھ کہا جا چکا۔ بستی کے لوگ اور سکول کے بچے شین کے تذکرے اکثر چھیڑتے۔ اُس کے بارے میں کہانیاں گھڑتے اور خیال آرائیاں کرتے۔ میں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ گرافٹن کے ہاں کی وہ یادگار راتیں وادی کا ایک افسانہ بن گئیں، اور جوں جوں یہ افسانہ پھیلا اُس میں بے شمار حاشیے اضافہ ہوتے گئے جیسے کہ خود بستی بڑھتی اور دریا کے کنارے پھیلتی گئی۔ مگر میں نے کبھی اِس کی پروانہ کی کہ وہ باتیں بار بار دوہرائے جانے سے کتنی عجیب داستانیں بن کر رہ گئی تھیں۔ اُس کی ذات کا تعلق مجھ سے تھا — ابا سے، اماں سے، اور مجھ سے۔ اور یہ تعلق مٹنے یا بدلنے والا نہ تھا۔

اماں کا خیال واقعی ٹھیک تھا۔ وہ وہیں موجود تھا، ہماری زمین پر، ہمارے گھر میں، اور ہمارے دل میں۔ مجھے جب کبھی اُس کی ضرورت ہوئی، اُسے موجود پایا۔ میں اپنی آنکھیں بند کرتا اور اُسے اپنے پاس کھڑا ہوا محسوس کرتا۔ وہ مجھے صاف نظر آتا، اور اُس کی نرم آواز پھر سنائی دیتی۔

میں اُس ایک ایک لمحے کو یاد کرتا جب اُس کی شخصیت کے جوہر مجھ پر کھلے تھے۔ میرے ذہن میں اُس ایک ہی لمحے کی نہایت واضح تصویر بجلی کے کوندے کی طرح اُبھر کر رہ جاتی جب اُس نے گرافٹن کے سیلون میں ایک ہی جنبش میں گھوم کر فلیچر کو پستول سے داغ دیا تھا۔ میری نظروں میں اُس کے باہم مربوط اور ہم آہنگ قویٰ کا وہ زور اور شکوہ پھر جاتا جو حسین بھی تھا اور حیرت انگیز بھی۔ مجھے وہ شخص اور اُس کا ہتھیار اس طرح ایک دوسرے کے دمساز نظر آتے کہ اُن کے وار سے بچنا محال تھا۔ میں ایک آدمی اور ایک ہتھیار، ایک تیکھے آدمی اور اُس کے تیکھے اوزار، کو اپنا کام کرتے ہوئے دیکھتا — وہ کام جو اُنھیں کرنا تھا، اور کر کے

رہے۔

اور ہر بار میرا خیال آخر میں وہاں جا پہنچتا جہاں میں نے جھاڑیوں کے قریب سے اُس کو سڑک پر آتے ہوئے دیکھا تھا۔ چاندنی میں ایک دراز قامت، خوفناک انسان کی شبیہ جو مارنے یا مرجانے کے لیے چلا جارہا تھا اور راستے میں ایک لڑکھڑاتے ہوئے بچے کو سہارا دینے کے لیے رک گیا تھا۔ اور پھر اُس نے اُس دلفریب وادی پر ایک نگاہ ڈالی تھی جہاں اُس کو اس بچے کی تربیت کے بہترین سامان نظر آرہے تھے، جہاں اُس کے لیے موقع تھا کہ لڑکپن سے جوانی کی طرف وہ روحانی ارتقا حاصل کرے جو ایک مرد کو حاصل ہونا چاہیے۔

جب میں بستی کے لوگوں کو آپس میں باتیں کرتے سنتا جو اُس کی سابقہ زندگی کے بارے میں بڑے وثوق سے خیال آرائیاں کرتے تھے تو خاموشی سے مسکرا دیتا۔ کچھ عرصے وہ اس افواہ کو سچ سمجھتے رہے جو کسی اجنبی مسافر نے اُڑائی تھی، کہ وہ شین نامی ایک بندوق باز اور جواری آدمی تھا جو کچھ اور آگے کہیں ارکنساس یا ٹیکساس میں رہتا تھا اور اکثر اچانک غائب ہوجایا کرتا تھا۔ جب وہ خیال فرو ہوا تو دوسرے قصے سنے جانے لگے، جو اسی طرح آتے جاتے راہگیروں سے اِدھر اُدھر کی باتیں سن کر گھڑ لیے گئے تھے۔ مگر جب کبھی وہ لوگ اس قسم کی باتیں کرتے تو میں صرف مسکرا دیتا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ یہ اُس کی اصلیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔

وہ ایک جوان تھا جو ہماری وادی میں مغرب کی عظیم، روشن فضاؤں کے جگر میں سے نمودار ہوا تھا اور جب اُس کا کام ختم ہوگیا تو جہاں سے وہ آیا تھا وہیں واپس چلا گیا، اور اُس کا نام شین تھا۔

پس لفظ

Jack Warner Schaefer (1907-1991) کا ناول Shane پہلی مرتبہ ۱۹۴۹ء میں چھپا۔ اس میں اشاعت سے ساٹھ سال پہلے (۱۸۸۹ء) کی ایک دور دراز امریکی ریاست کی ایک قدرتی وسائل سے مالا مال، دور افتادہ بستی کے مکینوں کی باہمی کشاکش اور کشتم کشتا کی ایک تہہ در تہہ کہانی بیان کی گئی ہے۔ اشاعتِ اول کے ساٹھ سال بعد بھی یہ ناول ایک اہم تحریر ہے اور گوگل (google.co.uk) کے مطابق کچھ زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

یہ ناول برطانیہ سے شائع ہوا لیکن اس کا محاورہ اور اسلوب روایتی برطانوی انگریزی کی بجائے زیادہ تر اینگلو امریکن ہے۔ اس کی ایک وجہ بیان کی گئی کہانی کا ماحول ہے اور دوسری، اہم تر، وجہ ناول کے پیغام کو قارئین کے وسیع تر حلقے میں پہنچانا ہے۔ ناول کا ذخیرۂ الفاظ (Lexis) کئی سطح کے لوگوں کی بولیوں اور عوامی زندگی کے کئی شعبوں کے مخصوص الفاظ وتراکیب اور محاورے وروزمرے کا جامع ہے۔ ناول کا ۹۰ فیصد سے زائد حصہ تجریدی اور منظر نگاری پر مشتمل ہے۔ کچھ خاکے بھی ہیں۔ جملے حسب ضرورت چھوٹے، درمیانے اور لمبے ہیں۔ کرداروں کے منہوں سے نکلنے والے الفاظ اُن کی سماجی حیثیت اور پیشہ ورانہ سطح کے مطابق ہیں۔ اس کی ایک وجہ ناول کے لیے اختیار کی گئی تکنیک ہے یعنی بازگشت (فلیش بیک)، جس میں کہانی سنانے والے ہی کی زبان میں ہر بات ادا ہوئی ہے خواہ وہ دوسروں کے خیالات ہوں یا کئی کئی صفحوں پر پھیلے ہوئے مکالمے۔ کہانی کا بڑا اور اہم تر حصہ لفظوں کے بغیر یعنی بین السطور کہا گیا ہے، اور یہی بات ہے کہ یہ اَن کہی، کہی سے زیادہ پُر از معنی اور تہہ دار ہے۔

کہانی کہنے والا کردار منظر نگاری کا بادشاہ ہے۔ اُس کا مشاہدہ اور اُس کی قوتِ تخیل حیرت انگیز ہیں اور بیان سہ اَبعادی۔ کہانی اُٹھاتے میں کہیں کہیں اُس کی باتیں اُس کی عمر سے لگا نہیں کھاتیں جس کا اُسے خود بھی احساس ہے، اور منظر نگاری کی تفصیلات بھرتی کی محسوس ہوتی ہیں۔ وہ بظاہر بچپنے میں اور بڑے بھولپن سے مختلف کرداروں سے بہت گہرے سوالات کرتا اور مطلب کی باتیں کہواتا ہے۔

اُس نے ضروری جگہوں پر چابکدستی سے ابہام پیدا کیا ہے۔ وہ ہیرو کے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا ہے اور محرم رازہائے زن خانہ ہے، لیکن بیان صرف گفتنی کا کرتا ہے اور کہتے کہتے زبان دبا جاتا ہے۔ یہ کہانی کچھ صفائیاں پیش کرنے کے لیے — اور ہیرو کی ذات کے ساتھ اپنے، اپنی ماں اور باپ کے تعلق کی تشہیر کے لیے — واقعات نفس الامری کے گزر چکنے کے بہت بعد میں بیان کی گئی ہے۔

ناول کا ہیرو ایک علامتی کردار ہے جو ایک عوامی نمائندے اور جنتا کا ساتھ دیتا ہے۔ اُس نے ایک ایسے بدنفس علامتی کردار اور اُس کے ہواخواہ کو ختم کیا جو ریاست کے اندر ایک چھوٹی سی چودھراہٹ قائم کرنے کی کوشش میں تھے — ایسی چودھراہٹ جو کل کلاں ریاست پر دباؤ ڈالنے کی قوت حاصل کر سکتی تھی۔ جمہوریت کے غیر تحریری آئین کی ایک خاص شق یہ ہے کہ لوگوں کو "حسب منشا" آزادی دی جائے نہ کہ کھلے مہار لونڈھار مچانے کی چھٹی۔ چنانچہ اس کینڈے کے مغربی ناولوں کی طرح اس ناول میں بھی لاقانونیت، دھماچوکڑی، تشدد اور توڑ پھوڑ کے مناظر وافر ملتے ہیں۔ لیکن اپنے طویل المیعاد مقاصد کے حصول کے لیے ان سب رویوں کو نہ صرف جائز کیا گیا ہے بلکہ آج کی "جنگ برائے امن" اور "جمہوریت کے تحفظ" جیسی اصطلاحات کے ہنرمندانہ استعمال کے ذریعے انھیں "حق کی جنگ" کے راستے کی چیزیں دکھایا گیا ہے اور ان پر نوجوان نسل کی جسمانی، اخلاقی اور روحانی تربیت کا روپہلی ورق لگایا گیا ہے۔ نسلی امتیاز کی لہر بھی پورے ناول میں چلتی ہے اور رنگ دار، انڈین لوگوں کی موقع بموقع شدید تذلیل کی گئی ہے۔ ہیرو لامحالہ سفید فام ہے اور ہر ضروری فن میں طاق، اور اپنی مطلب براری میں معین کارآمد لوگوں سے تعلقات بنانے اور نباہنے میں خاص طور سے مہارت رکھتا ہے۔ وہ لایعنی کاموں میں وقت اور صلاحیتیں کھپانے سے بالکل نفور اور بے حد نپا تلا اور سمت بند (Object-oriented) آدمی ہے۔ اُس نے اپنے مخالفین کے جتھے میں انتہائی رازداری سے اور بڑی کامیابی کے ساتھ سیندھ لگائی اور اُن میں اپنے مخبر اور حامی پیدا کیے جو بالآخر اُس کی کامیابی کے ضامن بنے۔ وہ عورت مار ہے، لیکن ناول میں اُس کا کردار چونکہ ایک جگ سدھار کا ہے اس لیے وہ عورت کے ذہنی اور بدنی جذبات کی تسکین ایسی تہذیب سے کرتا ہے کہ سماج کے اس اہم ستون (Stakeholder) کی وجہ سے پورے سماج (بشمول خاندانی نظام) کی تصویر خراب نہ ہو۔ اُس

کے انداز میں بردباری ہے جس کی وجہ سے کھرا اکھیل فرخ آبادی پن پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ گھوڑے پر سوار رخصت ہوتے وقت اُس بچے کو، جو اس ناول میں اُبھرتی ہوئی نسل کا نمائندہ کردار ہے، قطعی الفاظ میں ماں اور باپ دونوں کا خیال رکھنے کی نصیحت کرتا ہے خواہ اُن کا کردار کیسا ہی ہو۔ یہ اس بچے کو اُس کی آخری نصیحت اور ناول میں اُس کا آخری مکالمہ (Concluding dialogue) ہے۔

اس ناول میں صرف ایک نسوانی کردار ہے جو شادی شدہ ہے اور چور نگور۔ یہ ایک بظاہر الھڑ دیہاتن لیکن اصلاً ایک انتہائی شاطر اور خود غرض سفید فام اینگلو امریکن عورت کا نمائندہ کردار ہے جو اپنی ذاتی اور سماجی اغراض کے حصول کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتی ہے، اور تن اور من ہی نہیں بلکہ اپنا سہاگ تک وارنے کا بھی جگرا رکھتی ہے۔ حصولِ مقاصد کے ذریعے سے تکمیلِ عزائم اس عورت کا یکنکتی منشور (One-point agenda) ہے جس کے لیے وہ سب دستیاب وسائل کو، بشمول ہیرو اور اپنے شوہر، کھلی آنکھوں اور حاضر دماغی سے استعمال کرتی ہے۔ وہ ہیرو کے ساتھ شدید جذباتی وابستگی رکھتی ہے؛ وہ اُس کے لیے کڑھتی اور ہر فورم پر اُس کا دفاع کرتی ہے اور بچے کے کانوں میں اُس کے لیے ایسی محبت سے بنتے تنے جملے انڈیلتی ہے کہ وہ بچے کے لیے مثالی کردار (Role model) بن جاتا ہے۔ وہ اپنے شوہر اور ہیرو کی ساکھ، حیثیت اور صلاحیتوں میں کا ناپ تول کر موازنہ کرتی ہے اور پہلے کو نسبتاً ہلکا پاتے ہوئے اُس سے پیچھا چھڑانے اور دوسرے کی ہو جانے پر ذہناً تیار ہو جاتی ہے۔ اُس کا یہ فیصلہ دور اندیشی، تیز فہمی، حد درجہ غیر جذباتی اور خالصتاً مادی بنیادوں پر ہے، بالکل یوں جیسے ایک کرسی سے اٹھ کر دوسری کرسی پر بیٹھ جانا۔ اُس کے شوہر کو جو "حق" کا نمائندہ ہے، اپنی بیوی کی دو طرفہ وفا کا نہ صرف علم ہے بلکہ وہ خود کئی کئی روز گھر سے غائب رہ کر اُسے ہیرو سے ملاقات کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ اسی پر بس نہیں، اپنے سیاسی و سماجی عزائم پورا کرنے کے لیے وہ اپنی بیوی کو آشنائی کی ترغیب بھی دیتا ہے اور یہ عفیفہ جو خود بھی، قبلہ یوسفی صاحب کے الفاظ میں، قنیم کے ساتھ ملی ہوئی ہے، جی جان سے آلۂ کار کی اس حیثیت میں راضی رہتی ہے۔ ہیرو کی ساری کارگزاری اسی یاریت اور جفتی کھانے کی وجہ سے ہے۔ لیکن یہ لگالگائی اور لگوائی ناول کے متن اور ماحول میں یوں چھپی ہوئی ہے جیسے بدن میں روح، کہ نظر بالکل نہیں آتی اور نہ مادی وجود رکھتی ہے، بلکہ سرسری مطالعے میں تو محسوس

بھی نہیں ہوتی۔ یوں یہ ناول ایک مکمل طور پر ''گھریلو'' ناول ہے۔ ناول نگار نے یہ کردار دل لگا کر تصور کیا ہے۔

ہیرو کے دخل در معقولات، دوستوں کے طعنوں اور بیوی، جاگیر اور ساکھ کو ہاتھوں سے پھسلتا دیکھ کر اس عورت کا شوہر بہت جز بز ہوتا اور پھنکارتا ہے۔ وہ بیوی کی آنکھوں میں ہیرو کی محبت اور ہیرو کو اپنی بیوی کا آئیڈیل بنتا دیکھ کر اپنے اندر تبدیلیاں لانے کی کوشش بھی کرتا ہے، لیکن دل گرفتہ ہو کر بالآخر ہیرو کو اپنی جگہ لینے کا جائز حقدار جانتے ہوئے راستے سے ہٹ جانے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہیرو اپنی گری جذبات کو معاشرے کے وسیع تر مفاد اور اجتماعی ضروریات پر قربان کرتے ہوئے خود ہی درمیان سے نکل جاتا ہے اور عورت کے منصب (Institution; Office) کو بھی رسوائی سے بچالیتا ہے، اور خاندانی نظام کا پرچارک ہونے کا نقش چھوڑ جاتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ ایک ڈھیلے، بودے، تھڑ دلے اور جلد باز سفید فام امریکی مرد کا کردار ہے جس پر قدرت نے زمینی اور سماجی وسائل کی فراوانی کر رکھی ہے اور مخلص بندگان بے دام کی صورت میں افرادی قوت بھی عطا کر رکھی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اُسے یہ سب کچھ ایک طویل عرصے تک کی جسمانی مشقت جھیلنے کے بعد ملا ہے۔

یہ ناول اُس وقت لکھا گیا جب وہ بادشاہت اپنا تام جھام سمیٹ رہی تھی جس کی عملداری پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا لیکن عام لوگ اور دنیا کے بیشتر ممالک آنے والے دنوں کی بڑی عالمی قوت کی ترجیحات اور عزائم کے بارے میں ابھی زیادہ نہ جانتے تھے۔ امریکی ذہنیت کو، اور جس انداز میں اور جن بنیادوں پر امریکی قوم اپنی نسل اور افرادی قوت کی جسمانی اور روحانی تربیت کرتی ہے، سمجھنے کے لیے یہ ناول آج بھی ایک دکانِ ہمہ سامان (One-Stop-Shop) ہے۔

☆

Shane کا اردو ترجمہ زبانِ اردو کے صحیح مزاج دان جناب شان الحق حقی نے کیا جسے ۱۹۵۸ء میں مکتبۂ معین الادب لاہور نے انجان راہی کے نام سے شائع کیا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۳ء میں چھپا۔ زیرِ نظر (محقق) ایڈیشن انجان راہی کے پہلے اور تیسرے ایڈیشن (۱۹۹۹ء) اور Shane کے پندرھویں Corgi Book ایڈیشن (۱۹۶۸ء) کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہے۔ راقم کو مہینوں کی

تلاش کے بعد، بدقت تمام، یہی تین مآخذ دستیاب ہو سکے ہیں۔

اس (محقق) ایڈیشن کو انجان راہی کا بہتر ایڈیشن اس لیے بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس میں وہ تمام سہو ہائے کتابت دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو پہلے اور تیسرے ایڈیشن میں در آئے تھے۔ ذیل میں ان کی ایک اجمالی فہرست پیش ہے:

داخلی شواہد کی روشنی میں یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ تیسرے ایڈیشن کی کتابت کے لیے کاتب کے سامنے پہلا ایڈیشن رکھا تھا۔ مذکورۂ بالا دونوں ایڈیشنوں میں پروف کی کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں جو سہو، کاتب کی کم فہمی اور پیراگرافنگ تینوں طرح کی ہیں۔ مثلاً پہلے ایڈیشن میں کچھ جملے کتابت نہ ہوئے تھے، حتیٰ کہ ایک پورا صفحہ بھی کتابت ہونے سے رہ گیا تھا، لیکن چونکہ یہ تیسرے ایڈیشن میں موجود ہے اس لیے یہ بات طے ہے کہ تیسرے ایڈیشن کے لیے (یا دوسرے ایڈیشن میں بھی، جو مجھے دستیاب نہیں ہو سکا) خود حقی صاحب نے پہلے ایڈیشن میں درستیاں لگا کر حوالۂ ناشر/کاتب کی ہیں۔ کم فہمی کی وجہ سے کئی ایک الفاظ پہلے ایڈیشن کے کاتب نے کچھ کے کچھ لکھ دیے تھے، مثلاً نمدار کو غدار لکھ دیا، وغیرہ؛ تیسرے ایڈیشن میں ایسی غلطیاں تناسب میں کچھ بڑھ گئی ہیں۔ تیسرے ایڈیشن کے کاتب نے، جو کچھ پڑھا لکھا معلوم ہوتا ہے، جناب مترجم کو کئی جگہ پر "اصلاح" دینے کی کوشش بھی کی ہے، مثلاً ٹھنٹھو کو ٹھنڈ بنا دیا ہے۔ پیراگرافنگ جگہ جگہ سے Shane کے اصل (انگریزی) متن سے مختلف ہے۔ مناظر (Scenes) کی تبدیلی کے لیے بھی کاتب نے کوئی علامت نہیں لگائی جب کہ انگریزی متن میں یہ علامات موجود ہیں۔ علاوہ ازیں کاتب نے کچھ جگہوں پر اس طرح نقطے لگائے ہوئے ہیں جیسے کوئی لفظ یا جملہ چھوٹ گیا ہے (جب کہ فی الواقع ایسا نہیں ہے)۔ بعض صفحوں پر تو یہ نقطے کئی کئی سطروں تک چلے گئے ہیں، جو نری بے سوادی ہے۔ اس (یعنی تیسرے) ایڈیشن میں حقی کی چند جگہوں پر پہلے ایڈیشن کے کچھ جملوں کی بندش بھی چست کی گئی نظر آتی ہے جس سے اس گمان کو مزید تقویت ملتی ہے کہ کاتب کے سامنے ایسا مسودہ رکھا تھا جسے حقی صاحب خود قلم لگا چکے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہ الگ بات ہے کہ کاتب نے کتنی درستیوں کو متن میں ٹھیک سے لگایا۔

ایک اہم مسئلہ ناول کے املا کا ہے۔ انجان راہی کے پہلے ایڈیشن کی کتابت (١٩٥٨ء) کو

آج باون برس ہو چکے ہیں اور تیسرے ایڈیشن کی کتابت (۱۹۶۹ء) کو اکتالیس برس۔ تیسرے ایڈیشن میں املا، کا ارتقا جگہ جگہ محسوس ہوتا ہے، لیکن یہ طے ہے کہ دونوں ایڈیشنوں میں دو مختلف کاتبوں کی روشِ املا، غالب ہے نہ کہ یہ حقی صاحب کی روشِ تحریر کی ہو بہو نقالی ہیں۔ راقم حقی صاحب کی انہی ایام کی تحریروں کے نمونے دیکھنے کے بعد یہ دعویٰ کرنے کی جسارت کر رہا ہے۔ صرف ایک مثال لیجیے کہ تیسرے ایڈیشن میں بیرونی سرِ ورق پر کتاب کا نام انجان راھی لکھا ہے جب کہ اس کے پشتے پر انجان راہی۔ ایک ہی کاتب (یا خطاط) سرِ ورق جیسی سامنے کی جگہ پر ہائے کبنی دار اور ہائے دوچشمی میں فرق نہیں کر پا رہا۔ ساری کتاب میں کی روشِ املا کو اسی ایک مثال پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ زیرِ نظر (محقق) ایڈیشن میں املا، کو جدید معیارات کے مطابق اپنایا اور الفاظ کی صورت کو یکساں بنایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں بنیادی طور پر حقی صاحب ہی کی فرہنگ تلفظ (۱۹۹۳ء) کو راہنما بنایا گیا ہے، جو اُن کے آخری زندگی کے تجا کیے ہوئے اور خود سے پروف پڑھ کر شائع کیا گیا کام ہونے کی وجہ سے اُن کے روشِ تحریر اور املا، کا نمائندہ کام کہا جا سکتا ہے۔ حقی صاحب کی اوکسفرڈ انگریزی-اردو لغت (۲۰۰۳ء) میں بھی اردو الفاظ کا املا، کم و بیش فرہنگ تلفظ سے ملتا ہوا ہے۔

انجان راہی کے پہلے ایڈیشن سے بیسیوں اَسناد "اردو لغت (تاریخی اصول پر)" میں لی گئی ہیں۔ اس کتاب کی اَسنادی حیثیت متعین ہے۔ چنانچہ اصل ماخذ (Shane) اور دونوں دستیاب طباعتوں کی روشنی میں پورے متن کی درستی کی گئی۔ بے شک یہ کام بہت وقت لے گیا۔

انگریزی نظم و نثر کے اردو تراجم کئی لوگوں نے کیے ہیں جن کی اپنی اپنی اہمیت اور حیثیت ہے۔ چند ترجمے ایسے ہیں جن میں علمی شان بھی پائی جاتی ہے۔ شان الحق حقی اردو کے شاید واحد مترجم ہیں جنھیں نظم ہو یا نثر، اردو کے ناکافی یا تہی داماں ہونے کا احساس کبھی اور کہیں نہیں ہوا۔ انجان راہی میں اُنھوں نے دیہاتی زندگی اور زبان، جرائم پیشہ جتھے داروں کی زبان، گوالوں کی زبان، کاشتکاروں کی زبان، لکڑ ہاروں کی زبان، نشانہ باز بندوقچیوں کی زبان، غرض کئی ایک شعبہ ہائے زندگی کی لفظیات، محاورے اور سلینگ کے اردو مترادفات و اصطلاحات کو جمع کر دیا ہے۔ آپ یہ ناول پڑھ جائیے تو آپ پر کھلے گا کہ اردو میں بالکل سامنے کے کیسے کیسے الفاظ ہیں جو حالانکہ اردو میں نظر نہیں آتے لیکن جنھیں

اگر برتا جائے تو تحریر اور گفتگو دونوں میں کھپ سکتا ہے بلکہ بہتر ہو سکتی ہے۔ حقی صاحب نے عوامی گفتگو کے ترجمے کے لیے اردو کے عوامی الفاظ، محاوراتی جملوں کے لیے اردو کے محاورے اور روزمرے، اور انگریزی ضرب الامثال کے ترجمے کے لیے اردو کی بے حد رسیلی کہن کہاوتیں استعمال کی ہیں، اور الفاظ وتراکیب اور محاورے کے غیرملکی پن کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے۔ صرف ایک مثال لیجیے کہ Index finger کا ترجمہ وہ ''کلمے کی انگلی'' کرتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہ نکالا جائے کہ انھوں نے ترجمے کو بالکل ''دیسی'' بنا دیا ہے یا لفظ بہ لفظ (ad verbum) ترجمہ کیا ہے، یا یہ کہ ناول کے متن سے وفادار رہنے میں کمی کی ہے، بلکہ ان لسانی پیکروں کو بطور نشاناتِ راہ استعمال کرتے ہوئے اور غیرضروری تفصیلات کو چھانٹتے ہوئے ناول کے ہر ہر سین کے پورے ماحول کو، ماحولیت اور ثقافت کی پوری رنگارنگی کے ساتھ، شستہ اور رواں اردو میں ڈھالا ہے۔

ذخیرۂ الفاظ کے انتخاب کے ضمن میں یہ صراحت ضروری ہے کہ حقی صاحب نے الفاظ و محاورات کی ٹھونسم ٹھانس کر کے سستی علمیت کی نمائش نہیں لگائی؛ یہ نہ تو اُن کا مزاج تھا اور نہ ہی ذہنی چھچھورپن۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ ترجمہ کرتے میں انھوں نے انگریزی جملوں کی بُنت (sententiousness) سے عموماً تعرض نہیں کیا، جس کی وجہ سے اردو میں بلاشبہ ایک نیا، تازہ اُسلوب سامنے آیا ہے۔

راقم کی سوچی سمجھی رائے ہے کہ کسی ترجمے کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ ترجمے کی بجائے ایک طبع زاد تحریر محسوس ہوتا ہے، ایک طفلانہ اور ابتدائی تبصرہ ہے۔ انجان راہی کے نام سے Shane کا یہ ترجمہ اپنے اُسلوب اور زبانِ اردو کے بے تحاشا خزانۂ الفاظ سے ضرورت کے کچھ برمحل الفاظ وتراکیب اور کہاوتوں کے فنکارانہ انتخاب، کئی ایک شعبہ ہائے زندگی کی پیشہ ورانہ زبان کی لفظیات کی سمائی اور جملوں کی چست، فنکارانہ بُنت کی وجہ سے غیرمعمولی اہمیت کا حامل ہے، اور انھی خصوصیات کی وجہ سے انگریزی سے اردو نثری تراجم پر لسانی تحقیق کے لیے ایک قیمتی تجرباتی متن فراہم کرتا ہے۔

اس بات کا ذکر کیا جانا، البتہ، ضروری ہے کہ حقی صاحب نے اپنی سوانح افسانہ در افسانہ کی آخری قسط (ماہنامہ افکار کراچی، جون ۱۹۹۳ء) میں جہاں اپنے سارے کاموں کی قطعی

تفصیل سنہ وار اور ایڈیشن وار لکھی ہے اُن میں انجان راہی کو ذکر تک نہیں کیا، حالانکہ اس کے تین ایڈیشن چھپ چکے تھے۔ سیکڑوں صفحات پر پھیلی اس خودنوشت سوانح میں اُنھوں نے جگہ جگہ اپنے تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کاموں کے حوالے اور اقتباسات دیے ہیں لیکن انجان راہی کا کہیں ذکر مذکور نہیں۔ راقم کو افسوس رہے گا کہ حقی صاحب کی زندگی میں اس کی وجہ پوچھنے کی طرف دھیان نہ جا سکا۔ اب داخلی اور نواحی وجوہات جاننے کے لیے قیاس کے گھوڑے دوڑانے پر پابندی نہیں؛ یاد رہے کہ انجان راہی میں گھوڑا ہیرو کا (ad) (شخصی علامت) ہے۔

☆

انجان راہی کے اس محقق ایڈیشن کے لیے کتب کی فراہمی پر کیپٹن شایان الحق حقی (اسلام آباد) کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر رؤف پاریکھ (کراچی)، جناب حزیں کاشمیری (لاہور)، جناب محمد تاج (لاہور) اور ڈاکٹر شائستہ نزہت (لاہور) کا شکریہ واجب ہے۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا (لاہور)، محبی سید محمد ذوالکفل بخاری (ام القریٰ یونیورسٹی، مکۂ مکرمہ زادہا اللہ تشریفاً)، برادرم راؤ صفدر رشید (اسلام آباد)، پروفیسر محمد الیاس میراں پوری (ملتان)، بھائی محمد عمیر (ہری پور) اور جناب عدنان حقی (کناڈا) کی محبتوں کا بھی بہت شکریہ۔

الا لا آلاءَ اِلّا آلاءُ اللہ

ڈاکٹر حافظ صفوان محمد چوہان
صدر شعبۂ کمپیوٹر و ڈیٹا سروسز
ٹیلی کمیونیکیشن سٹاف کالج ہری پور
hafiz.safwan@gmail.com

جمعہ، ۱۴/ اگست ۲۰۰۹ء
مطابق ۲۳/ شعبان المعظم ۱۴۳۰ء

پیشِ نظر کتاب ہمارے واٹس ایپ گروپ کے سکالرز کی طلب پہ سافٹ میں تبدیل کی گئی ہے۔ مصنفِ کتاب کے لیے نیک خواہشات کے ساتھ سافٹ بنانے والوں کے حق میں دعائے خیر کی استدعا ہے۔

زیرِ نظر کتاب فیس بک گروپ ''کتب خانہ'' میں بھی اپلوڈ کر دی گئی ہے۔
گروپ کا لنک ملاحظہ کیجیے :

https://www.facebook.com/groups/1144796425720955/?ref=share

میر ظہیر عباس روستمانی

03072128068

انجان راہی (محقق ایڈیشن)

مصنف: جیک شیفر
مترجم: شان الحق حقی

...ndered into Urdu By: Shanul Haq Haqqee

یہ امریکی ادب کی ایک پُراسرار حکایت ہے جو بظاہر بڑی سادگی سے بیان کی گئی ہے، اور چند سادہ دیہاتی کرداروں کے گرد گھومتی ہے۔

یہ ناول ایک اجنبی شخصیت کا کردار اور کارنامے بیان کرتا ہے جو حق کی خاطر سینہ سپر رہا۔ یہ اجنبی ''قلبِ مغرب'' کی روشن وسعتوں سے ۱۸۸۹ء کی گرمیوں میں وایومنگ کی چھوٹی سی وادی میں گھوڑے پر سوار نمودار ہوا۔ وہ عجیب اور خطرناک انسان تھا، لیکن سٹیریٹ کے چھوٹے سے خاندان کے لیے نہیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں اُسے قریبی چراگاہ کے سرفروش گوالوں کے ساتھ اُن خونیں معرکوں میں شریک ہونا پڑا جو ایک چراگاہ کے استحقاق کی بابت پیش آئے۔ اس قضیے کا فیصلہ اسی کی ذات پر موقوف ہو کے رہ گیا تھا۔ وہ بلا کا دلیر، پھرتیلا اور موقع شناس تھا۔ جب اُس کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو وہ اُسی طرح پُراسرار طور پر غائب ہو گیا جس طرح کہ نمودار ہوا تھا۔

ایک اجنبی کا یہ انوکھا کردار ایک نوعمر لڑکے کی شخصیت سازی میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ یہ ایک نیا چراغ تھا جو ایک دوسرے چراغ سے روشن ہوا۔

مترجم جناب شان الحق حقی ایک مشاق اور خوش گو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین نثار بھی ہیں اور تراجم اور لغت نویسی اُن کا اختصاص ہے۔ اُنھوں نے انجان راہی کی صورت میں حشو و زوائد سے دامن بچاتے ہوئے نہ صرف ایک جاندار نثر لکھی ہے بلکہ ایک ایسا اُسلوب بھی وضع کر دیا ہے جو اردو کی ترجمہ شدہ کتابوں میں خال خال نظر آتا ہے۔ ہماری ثقافت سے مربوط با محل الفاظ، محاورات و تراکیب کے استعمال سے اُنھوں نے اس ترجمے کو پڑھنے والوں کے لیے اور بھی دلچسپ اور رنگین بنا دیا ہے۔

Rs. 195/-

ISBN 978-969-8917-82-1